قرآن وحدیث کی روشنی میں
اپنی شخصیت
دوسروں کیلئے کیسے پسندیدہ بنائیں
www.KitaboSunnat.com
مبشّر حمید
دار الصلاح
DARULISLAH

اپنی شخصیت
دوسروں کیلئے کیسے پسندیدہ بنائیں

نام کتاب	:	اپنی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ کیسے بنائیں؟
مصنف	:	مبشر حمید
شائع کردہ	:	دارالاصلاح، لاہور، پاکستان
اشاعت اول	:	جولائی 2016ء
قیمت	:	

ڈسٹری بیوٹر

دارالابلاغ لاہور پاکستان 0300-4453358

قرآن و حدیث کی روشنی میں
اپنی شخصیت
دوسروں کیلئے کیسے پسندیدہ بنائیں
مبشر حمید
دار الصلاح
DARULISLAH

فہرست

باب 1
پہلے کچھ اپنی شخصیت کے بارے میں

باب 2

ملاقات کے اسلوب

باب 3

ملنے والے کو مختلف انداز میں اہمیت دینا

باب 4

ملاقاتی کو مختلف اینگل سے سمجھنا

باب 5

مجلس کے آداب

باب 6

صبر کیجیے ورنہ............

باب 7

تعصب کی حقیقت

1
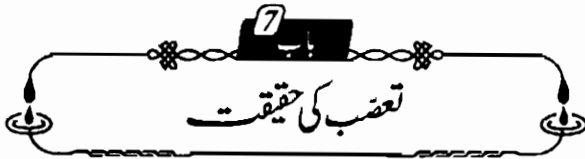
پہلے کچھ اپنی شخصیت کے بارے میں

- اپنی ذات کو سنوارنا
- مصلحت اندیشی
- مقصد کا تعین
- کامیابی آپ کی دہلیز پر
- ذہنی دباؤ کا شکار
- احساس کمتری سے بچاؤ
- زندگی کو قیمتی جانیں
- خوش کلامی
- ذات کی انفرادیت
- ہمیشہ پرامید رہنا
- غصے پر قابو پانا
- تلخ رویہ
- خود کو مشورہ دینا سیکھیے

اپنی ذات کو سنوارنا

عام طور پر لوگ سب سے زیادہ ظاہر وضع قطع سے متاثر ہوتے ہیں لہٰذا اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم سب سے پہلے اپنے لباس کا خاص طور پر خیال رکھیں ہمیشہ اپنی استطاعت کے مطابق بہترین لباس زیب تن کرنا چاہیے عمدہ ملبوسات پر جو کچھ بھی خرچ ہو وہ کبھی بھی رائیگاں نہیں جائے گا۔ اس بات کا بھی خیال رکھیے کہ آپ کا لباس میلا کچیلا اور خراب نہ ہو قمیص کے کالر اور کفوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور کپڑے باقاعدگی سے برابر دُھلتے رہیں اور اگر پسینہ بہت زیادہ آتا ہے تو کوئی اچھی سی پرفیوم بھی استعمال کرنی چاہیے، جوتوں کی مرمت اور صفائی کا خاص خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کو فرمایا:

﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ﴾ (المدثر، ٧٤/٤)

''اور اپنے کپڑے پس پاک رکھ۔''

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ کپڑوں کو پاک صاف رکھنا سحر انگیزی کے لیے بے حد ضروری ہے۔

جسم کو صاف رکھنے کے لیے دن میں کم از کم ایک بار نہانا چاہیے۔ دانتوں کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے اس لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ

صَلَاةٍ))❶

''حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ، زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر مجھ کو اپنی امت کے دشواری میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسترِ مرگ پر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا تو سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ آئے جو کہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسواک کی طرف اشارہ کیا اور سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے مسواک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسواک چبائی نہیں گئی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی تو ماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے منہ میں چبا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔❷

اس واقعہ سے بھی دانتوں کی صفائی کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور اگر آپ پان یا سگریٹ پیتے ہیں تو پھر بالا ولی اپنی منہ کو صاف رکھیں، اگر کہیں آپ کے منہ سے بدبو آ گئی تو پلک جھپکتے آپ کا سارا ذاتی سحر ٹوٹ جائے گا۔

اس لیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ فَغَلَبَتْنَا الْحَاجَةُ فَأَكَلْنَا مِنْهَا فَقَالَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ))❸

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز اور گندنا کھانے سے منع فرمایا ہمیں ان کے کھانے کی ضرورت پیش آئی تو ہم نے کھالیا تو

❶ ابو داؤد، الطہارۃ : ٤٧۔ ❷ الرحیق المختوم۔

❸ الصحیح المسلم، کتاب مساجد و مواضع الصلاۃ : ١٢٥٢

آپ ﷺ نے فرمایا جو اس بدبودار درخت میں سے کھالے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن چیزوں سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے۔"

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

جو دور خلافت بما مون رسید
یك ماه پیکر کنیزك خرید
بچهر آفتابے بتن گلتیے
بعقل خرد مند بازی کنیے
بخون عزیزاں خرد برده چنگ
سرانگشتها کرده عناب رنگ
بر ابروئے عابد فریش خضاب
چو قوس قزح بود بر آفتاب
شب خلوت آںلعبت حورزاد
مگر تن در آغوش مامون ندار
گرفت آتش خشم دروے عظیم
سرش خواست کردن چو جو زاد و نیم
بگفتا سراینك بشمشیر تیز
بیندازو بامن مکن خفت و خیز
بگفت از که بردل گزند آمدت
چه خصلت زمن ناپسته آمدت
بگفت از کشی و رشگافی سرم
زبوئے ابوت دهانت برنج اندرم

کشد تیرپیکار و تیغ ستم
بیکبارو بوئے دھائی دمبدم
شنید این سخن سرور نیك بخت
بشورید و برخود به پچید سخت[1]

''جب مامون کا دور خلافت آیا تو ایک چاند جیسے جسم والی لونڈی خریدی گئی۔''

''چہرے کے اعتبار سے آفتاب جسم کے لحاظ سے پھولوں کی شاخ، عقلمند کی عقل سے کھیلنے والی۔''

''عاشقوں کے خون سے چنگل ڈبوے ہوئے انگلیوں کے سروں کو عنابی بنائے ہوئے۔''

''اس کی عابد فریب ابرو پر نیل ایسا معلوم ہوتا جیسا کہ آفتاب پر دھنک کمان۔''

''خلوت کی رات میں حور کی نسل کی گڑیا نے البتہ اپنے آپ کو مامون کی بغل کے سپرد نہ کیا۔''

''غصہ کی بہت بڑی آگ اس میں بھڑک اٹھی اس نے اس کے سر کو جوزا کی طرح دو ٹکڑے کر دینا چاہا۔''

''وہ بولی یہ سر موجود ہے اس کو تیز تلوار سے اتار پھینک اور میرے ساتھ سونا اور نشست برخاست کر۔''

''اس نے کہا کس سے تیرے دل کو تکلیف پہنچی ہے میری کون سی عادت ناپسند آئی ہے۔''

''وہ بولی اگر تو مجھے مار ڈالے اور میرے سر کو پھاڑ دے تیرے منہ کی بدبو سے مجھے تکلیف ہے۔''

''جنگ کا تیر اور ستم کی تلوار مار ڈالتی ہے یکبارگی اور منہ کی بدبو پے در پے ہوتی ہے۔''

''نیک بخت بادشاہ نے یہ بات سنی تو پریشان ہو گیا اور اپنے اوپر سخت پیچ و تاب

[1] بوستان سعدی، ص: ۹۰

کھانے لگا۔"

صاف ستھرے لباس کو زیب تب کرنا خوشبو لگانا اور منہ کو صاف رکھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔خوشبو جہاں دل و دماغ کو معطر کرتی ہے وہاں جذبات میں خرامی بھی لاتی ہے ،بدبو دار چہروں سے انسان کا نفرت کرنا ایک فطری سا امر ہے اور جو لوگ صفائی ستھرائی اور خوشبو کا خاص خیال رکھتے ہیں وہ لطف ومحبت سے استفادہ کرتے ہیں یاد رکھیے! ناک بھنوں اسی سے چڑھایا جائے گا جس سے بدبو آئے گی۔

اپنے سر کے بالوں کو ہمیشہ درست رکھیے خوب اچھی طرح برش کیجیے اپنے ہاتھوں اور ناخنوں کی طرف خصوصی توجہ دیں۔دلیل یہ ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفِطْرَةُ خَمْسٌ أَوْ خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ)) [1]

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فطرت پانچ چیزوں میں ہے یا فرمایا کہ پانچ چیزیں فطرت انسانی سے تعلق رکھتی ہیں:

(۱) ختنہ کرنا، (۲) زیر ناف بال کاٹنا، (۳) بغل کے بال اکھیڑنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) لبیں کاٹنا۔"

یہ سب باتیں اس لیے بھی ضروری ہیں کہ دراصل ہمارے جسم کی بھی ایک زبان ہوتی ہے ہمارے بیٹھنے کا انداز کھڑے ہونے کا انداز، گفتگو کرنے کا انداز یہ سب کچھ ہماری شخصیت کی ترجمانی کرتے ہیں بالفاظ دیگر ہمارا جسم ہمارے مزاج کے بارے میں بتاتا ہے، جب ہم اچھے موڈ میں ہوں تو ہمارے چہرے سے اطمنان جھلکتا ہے جب غصے میں ہوں تو چہرے سے وحشت عیاں ہوتی ہے بااثر افراد ہمیشہ مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ نرمی سے کام لیتے ہیں اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں کیوں کہ ان کو اپنے اوپر اعتماد ہوتا ہے۔

[1] الصحیح المسلم، کتاب الطھارہ: ۵۹۷

خوش کلامی

جسم اور کپڑوں کو پاک صاف کرنے کے بعد مرحلہ ہے خوش کلامی کا کیوں کہ اگر آپ کا لباس عمدہ ہے لیکن آپ کو بولنے کی تمیز نہیں تو تب بھی آپ کی ذات دوسروں کو متاثر نہیں کر سکتی اس لیے ضروری ہے جہاں آپ کا لباس صاف ستھرا ہو وہاں کلام بھی میٹھاس سے بھرپور ہو کہ جب بھی آپ کسی سے گفتگو کریں تو نہایت میٹھی اور دل خوش کن باتیں کریں تا کہ سننے والا آپ کی بات چیت سے خوش ہو اور آپ کی محبت اس کے دل میں بیٹھ جائے۔ ترش روئی اور سخت کلامی سے بچتے رہیں زبان شیریں ملک گیری پر ہمیشہ عمل کرتے رہیں اور جو بات کہو اچھی کہو، اچھی گفتگو کرو اس سے آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ (البقرة : ٢/ ٨٣)

"اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔"

اچھی بات کا مطلب یہ کہ نصیحت اور فائدے کی بات کہو یہی انسانیت کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز ہے اور نیک لوگوں کی پہچان ہے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ (بنی اسرائیل : ١٧/ ٥٣)

"اور میرے بندوں سے کہہ دے وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے۔ بے شک شیطان ہمیشہ سے انسان کا کھلا

دشمن ہے۔"

آیت کے پچھلے حصہ میں دعوے کی دلیل بھی دے دی گئی ہے کہ خوش گوئی اور خوش کلامی آپس میں میل ملاپ پیدا کرتے ہیں اور بدگوئی و بد کلامی آپس میں پھوٹ پیدا کرتے ہیں جو شیطان کا کام ہے۔

اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو اسی بات کی تعلیم دی ہے کہ لوگوں سے نرم زبان اور خوش کلامی سے پیش آئیں تا کہ لوگ ان کے گرویدہ ہوں ان کے ارد گرد جمع ہوں۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (آل عمران : ۱۵۹/۳)

"پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بد خلق، سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے۔"

اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف نبی بنا کر بھیجا تو فرمایا:

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ (طه : ۲۰/۴۴)

"پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے۔"

لہٰذا:

جو شخص خوش کلامی کرتا ہے وہ دوسروں کے دلوں میں اپنی محبت کا سکہ بیٹھا دیتا ہے اور لوگ اس سے بات کرنے کو ترستے ہیں۔

❋❋❋❋

مصلحت اندیشی

جس طرح انسان کا اچھا لباس پہننے کے ساتھ ساتھ خوش کلام ہونا بھی ضروری ہے اور یاد رکھیے! جب انسان خوش کلامی کرنے والا ہوتا ہے تو مصلحت اندیشی جیسے فن کو وہ خود سیکھ لیتا ہے ذات میں سحر پیدا کرنے کے لیے مصلحت اندیشی بے حد ضروری ہے۔ ہمیشہ موقع اور وقت دیکھ کر بات کرنی چاہیے اور اگر آپ بے وقت اور بے موقع بولنے لگے تو آپ کی شخصیت کی دلکشی جاتی رہے گی اس لیے تو نبی ﷺ نے بے فائدہ بات چیت کرنے سے منع کیا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنَعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ))[1]

”سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کا زندہ درگور کرنا اور کسی کو نہ دینا لیکن خود مانگنا حرام کیا ہے اور تمہارے لئے قیل و قال (فضول بک بک کرنا) بہت سوال کرنے اور مال کے ضائع کرنے کو مکروہ سمجھا ہے۔“

اس حدیث میں آپ ﷺ نے جتنی بھی باتیں بیان کی ہیں اگر ہم عمل کریں تو ہماری ذات دوسروں کے لیے محبوب بن جائے گی۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الرقاق: ٦٤٧٣

اس حدیث میں منع کی گئی چیزوں میں ایک چیز فضول باتیں کرنا بھی ہے لہٰذا ہمیں بے جا نہیں بولنا چاہیے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ)) [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝﴾ (ق ۵۰/۱۸)

''وہ کوئی بھی بات نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران ہوتا ہے۔''

زندگی بسر کرنے کے لیے ایک خاص سیاست کی ضرورت ہے، ایک ایسا ڈھنگ جاننا ضروری ہے جس سے ہم زمانے کے سرد گرم سے محفوظ رہ سکیں اور اپنی شخصیت کو طلمساتی اور سحر انگیز بنانے کے لیے بہت سے ذرائع معلوم کیے جا چکے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ مصلحت کوشی ہے جو ہمیں قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اس بات کو ایک واقعہ کے ساتھ سمجھیں۔

غزوہ اُحد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اندیشی کے پیش نظر (۵۰) تیر اندازوں کو جبل رماۃ پر متعین فرمایا تھا انھوں نے بھی جنگ کی رفتار مسلمانوں کے موافق چلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا مکی شہسواروں نے خالد بن ولید کی قیادت میں اور ابو عامر فاسق کی مدد سے۔ اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک پہنچے اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچا کر بھرپور شکست سے دوچار کرنے کے لیے تین چار زوردار حملے کیے لیکن مسلمان تیر

[1] الصحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان۔

اندازوں نے انھیں اس طرح تیروں سے چھلنی کیا کہ ان کے تینوں حملے ناکام ہو گئے۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے پہاڑ پر تیزی سے بھاگ رہی تھیں ان کی پازیبیں دکھائی پڑ رہی تھی۔ ❶

لیکن عین اس وقت جبکہ یہ مختصر سا اسلامی لشکر اس مصلحت اندیشی کے پیش نظر (۵۰) تیر اندازوں کو درے پر متعین کرنے کی صورت میں اہل مکہ کے خلاف تاریخ کے اوراق پر ایک اور شاندار فتح ثبت کر رہا تھا جو اپنی تابناکی میں جنگ بدر کی فتح سے کسی طرح کم نہ تھی نبی کریم ﷺ نے جن (۵۰) تیر اندازوں کو درے پر جس مصلحت اندیشی کی خاطر اس تاکید کے ساتھ متعین کیا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں اس درے کو نہیں چھوڑنا لیکن جب انھوں نے مسلمانوں کو مال غنیمت اکٹھا کرتے ہوئے دیکھا تو ان میں سے اکثر کے دل میں حب دنیا کا کچھ اثر غالب آ گیا نبی کریم ﷺ کی اس بات کو بھول گئے جس مصلحت اندیشی کی خاطر آپ ﷺ نے ان کو وہاں کھڑا کیا تھا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا مسلمانوں کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور خود نبی کریم ﷺ شہادت سے بال بال بچے۔

غزوہ خندق میں بھی آپ ﷺ نے لڑنے کی بجائے مصلحت اندیشی سے کام لیا اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز کو قبول فرمایا یہ تجویز سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں پیش کی تھی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے گرد خندق کھود لیتے تھے۔

یہ بڑی مصلحت اندیش اور باحکمت دفاعی تجویز تھی اور آپ ﷺ نے اس مصلحت کے پیش نظر اس تجویز پر فوراً عمل درآمد شروع فرماتے ہوئے ہر دس آدمی کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا۔

---

❶ الصحیح البخاری : ۵۷۹/۲

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اس مصلحت اندیشی کی بنا پر جو آپ ﷺ نے خندق کی صورت میں اختیار کی تھی فائدہ یہ دیا کہ مشرکین ایک ماہ کے بعد بغیر کسی خون ریز جنگ کے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان پر یہ واضح ہو گیا کہ عرب کی کوئی بھی طاقت مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینے میں نشوونما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی۔ ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ مصلحت اندیشی کامیابی کی کنجی ہے اور اگر مصلحت اندیشی کو ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ سے کھو دیا تو ممکن ہے آپ کو بہت بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔

میکی ٹامسن نے کار کی ریس میں عالمی شہرت حاصل کی حتی کہ وہ شاہ رفتار (Speed King) کہا جانے لگا مگر مارچ 1988 میں اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا بوقت وفات اس کی عمر 59 سال تھی میکی ٹامسن جرأت مند آدمی تھا نومبر 1987 میں اس نے اپنے دوستوں کو لاس اینجلیز میں بتایا تھا کہ کچھ بے ہودہ لوگ اس کو ٹیلی فون پر مار ڈالنے کی دھمکی دے رہے ہیں اس کے دوست ارنی الوراڈو نے کہا کہ میکی نے مجھ کو بتایا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ کون شخص اس کو قتل کرنا چاہتا ہے دوست نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کی اطلاع پولیس کو کی ہے؟ میکی نے جواب دیا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

مگر میکی غلطی پر تھا شروع مارچ 1988 کی ایک صبح کو اپنی 41 سالہ بیوی ٹروڈی کے ساتھ وہ بریڈ بری (کیلی فورنیا) میں گھر سے اپنے آفس کے لیے جا رہا تھا کہ دو آدمی بائیک پر آئے اور اس پر بندوق سے حملہ کر دیا ٹروڈی مایوسانہ طور پر کہتی رہی کہ نہ مارو نہ مارو مگر گولیوں کی بوچھاڑ نے چند منٹ کے اندر دونوں کا خاتمہ کر دیا میکی نے 1960 میں 400 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کار چلا کر پہلے امریکہ کا ٹائٹل حاصل کیا تھا، یہ سفر اس نے ایک خاص موٹر کار کے ذریعے طے کیا تھا جس میں چار انجن لگے ہوئے تھے ہفتہ وار ٹائم (28 مارچ 1988) نے اس حادثہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خطرہ کی پروانہ کرنا جس نے میکی ٹامسن کو تیز رفتاری کا

بادشاہ بنایا خود وہی اس کے لیے موت کا ذریعہ بن گیا۔ [1]

بہادری اور بے خوفی بہت اچھی چیز ہے مگر انسان بہر حال کمزور ہے وہ مطلق بہادری یا لامحدود بے خوفی کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لیے بہادری اور بے خوفی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی محتاط ہو وہ حکمت اور مصلحت کا لحاظ کرنا بھی جانے غیر حکیمانہ چھلانگ اور مصلحت اندیشی کو نظر انداز کرنا بھی اتنا ہی غلط ہے جتنا کہ بزدلانہ پسپائی۔ مصلحت کوشی ایک ایسا فن ہے جس سے خطرات سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور ہم اپنے آپ کو غیر مقبول ہونے سے بھی بچا سکتے ہیں اگر انسان حواس خمسہ کو اپنے کنٹرول میں کر لے تو انسان ہر بڑی چھوٹی مصیبت سے بچ سکتا ہے۔

مثال:

جب ایک کچھوا چلتا ہے تو اپنی گردن کو اپنے خول سے باہر نکال لیتا ہے اور جب بھی کوئی خطرہ محسوس کرتا ہے تو وہ فوراً اپنی گردن خول کے اندر کر لیتا ہے تو وہ اس خطرے سے با آسانی بچ جاتا ہے اس طرح اگر انسان بھی اپنے حواس خمسہ پر کنٹرول رکھے تو وہ بھی ہر مشکل سے بچ سکتا ہے۔

مصلحت کوشی ایک ایسا فن ہے جس سے خطرات سے بچاؤ ہو سکتا ہے احتیاط مصلحت اندیشی کا ایک اہم جزو ہے۔

خطرے کا احساس نفع بخش احتیاط ہے لیکن اگر احتیاط اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ ہمارے اندر کمزوری پیدا کر دے گی ہمارا ذہن کام کرتے ہوئے خوف محسوس کرے گا اس لیے میانہ روی کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ جانے دیجیے کیوں کہ یہ ایک انسانی کمزوری ہے کہ وہ دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے اگر آپ کو اس بات کا مطلقاً کوئی خوف نہیں کہ کوئی آپ کی کمزوری سے فائدہ اٹھائے گا تو آپ دوسروں کے حسد کی آگ سے اپنا دامن بچائے رکھیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے جب دو عزیز دوستوں میں حسد کی آگ سلگنے لگے تو ان کی برسوں کی دوستی چند لمحوں میں

[1] ہفت وار ٹائم: ۲۸ مارچ ۱۹۸۸ء۔

جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔

دوستی کے درمیان حسد شیشے کی ایک دیوار بن جاتی ہے اس دیوار سے دور رہنا ضروری ہے ہم میں سے جو ذرا آگے بڑھا اس کے حاسد پیدا ہونے لگتے ہیں انسان دوسرے کو بڑھتے دیکھ نہیں سکتا یہ ہماری کمزوری ہے ایسے حالات میں ہمیں سکون اور ٹھنڈے دماغ سے کام لینا ہوگا اور حالات پر غور و فکر کرنا ہوگا۔

بڑا آدمی بننے کے لیے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے دوسروں کی معاندانہ باتیں سن کر بھی چشم پوشی کی جائے پھر ان سے ایسا سلوک کیا جائے جس سے وہ حسد کرنے کی بجائے ہم پر رشک کرنے لگیں اور یہ رشک محبت میں بدل جائے یہ آسان کام نہیں اس کے لیے آپ کو اپنے نفس پر جبر کرنے کی ضرورت ہے یعنی حواس خمسہ پر کنٹرول کی ضرورت ہے اور حواس خمسہ کو کنٹرول کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے خوف کا ہونا ضروری ہے اور اسلام پر مکمل طور پر زندگی گزارنی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۲/۲۰۸)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہم مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں کیونکہ اسلام ہی وہ واحد مضبوط قلعہ ہے جہاں ہم داخل ہو کر اپنے حواس خمسہ کی بے جا خواہشات سے محفوظ رہ سکتے ہیں ان ہی خواہشات کے بارے میں ایک فلسفی نے کیا خوب کہا ہے۔

انسانی خواہشات ہی ہماری زندگی میں حرکت پیدا کرتی ہیں ہم اپنے اردگرد جو اچھی یا بری باتیں دیکھتے ہیں وہ انھی کا نتیجہ ہے ان کا اثر ہماری ذہانت اور ارادے پر بھی ہوتا ہے صرف اس قدر نہیں بلکہ اس فلسفی کے نزدیک ہماری خودی اور خود پسندی ہی تمام انسانی جذبات

کی محرک ہے رشک اور حسد انھی جذبات کی پیداوار ہیں ان کا اثر زندگی کے ہر دور اور ہر شے پر نمایاں ہوتا ہے حسد سے بڑھ کر انسانیت کا اور کوئی دشمن نہیں۔ اس سے بچے رہنا ہی زندگی کا کمال ہے یہ اس وقت ممکن ہے جب حواس خمسہ پر ہمارا کنٹرول ہو گا تو تب ہی ہماری ذات دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو گی۔

سنہری اصول:

کوتاہی کا نتیجہ شرمندگی اور مصلحت اندیشی کا پھل سلامتی ہے شطرنج کی طرح زندگی کی دوڑ میں بھی مصلحت اندیشی جیت جاتی ہے۔

ذات کی انفرادیت

ذات کی انفرادیت کا تو یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ہزاروں انسان پیدا کیے لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی شکل وصورت آپس میں ایک دوسرے سے نہیں ملتی یہاں تک کہ دو جڑواں بھائیوں میں بھی مکمل مشابہت اور ہم آہنگی مفقود ہوتی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝﴾ (آل عمران : ٦/٣)

''وہی ہے جو رحموں میں تمھاری صورت بناتا ہے، جس طرح چاہتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے''

قرآن میں اس طرح کی بے شمار آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف صورتوں اور مختلف عقلوں پر پیدا کیا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ جَاءَ مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ))[1]

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

[1] سنن ابوداود : ٤٦٩٣۔ جامع ترمذی : ٢٩٥٥

تعالیٰ حضرت آدم کو مٹھی بھر خاک سے جسے ساری زمین سے لیا تھا پیدا کیا پس بنی آدم زمین کی مٹی پر آئے (یعنی ہر ایک کی تخلیق اس کی مٹی کے حساب سے ہوئی) پس ان میں سے کوئی سفید آیا تو کوئی سرخ اور کوئی کالا ان کے درمیان کوئی نرم خو ہے تو کوئی بدخلق ہے کوئی ناپاک (کافر) ہے تو کوئی پاک (مسلمان) ہے۔"

جہاں تک عقل اور سوچ کا تعلق ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی الگ الگ بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝﴾

(بنی اسرائیل : ۱۷/۸٤)

"کہہ دے ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، سو تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر ہے۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنی فکر اور سوچ کے مطابق عمل کرتا ہے۔

تو پھر یاد رکھیے! آپ بھی اپنی ذات میں الگ ہیں دوسروں سے مختلف ذہنی قابلیتیں لے کر پیدا ہوئے ہیں آپ کی جسمانی صلاحیتیں بھی گرد و پیش میں بسنے والے دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔

اس کی مثالیں تاریخ اسلامی میں بے شمار ملتی ہیں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی صلاحیت تلوار بازی تھی تو آپ کو لقب سیف اللہ ملا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن فہمی میں مہارت حاصل تھی تو آپ رضی اللہ عنہما کو لقب مفسر قرآن ملا، اس طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی مفسر قرآن کا لقب ملا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں حافظہ کی صلاحیت غیر معمولی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ حافظ حدیث تھے، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قراءت میں مہارت تامہ رکھتے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ کو قاری کا لقب ملا۔ ان تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ ہر انسان کی ذہانت قابلیت اور صلاحیتیں الگ ہیں اور اس کی ذات تک محدود ہیں دوسرا کوئی شخص ان کو استعمال نہیں کر سکتا معاشرے کی فلاح و بہبود میں آپ کا جو حصہ ہے اسے آپ کو خود ادا کرنا ہے کوئی دوسرا شخص آگے بڑھ کر اسے آپ کے

لیے سرانجام نہیں دے گا۔ اس دنیا میں آپ کی پیدائش اور موجودگی ایک خاص مقصد اور فرض کی تکمیل کی خاطر عمل میں آئی ہے دوسروں کی نقل کر کے اپنے آپ کو ان کے سانچے میں ڈھال کر اپنی شخصیت اور ذات کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کریں وگرنہ ہنس کی چال چل کر کوے کی طرح اپنی چال بھی بھول جائیں گے۔

نکتہ:

بامقصد آدمی کبھی بھی اپنی صلاحیتوں سے محروم نہیں ہوتا اس دنیا میں اپنی صلاحیتوں سے محروم وہ ہے جو اپنے مقصد سے محروم ہے۔

مقصد کا تعین

جب کوئی انسان اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہے کہ میں کچھ کر سکتا ہوں یعنی کہ انسان جب اپنی ذات کی انفرادیت کو پہچان لیتا ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ اپنی صلاحیت کسی ایک مقصد پر صرف کرے کہ اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہو لیکن بدقسمتی سے اگر آپ اپنے کسی دوست سے پوچھیں کہ وہ زندگی میں سب سے زیادہ کس شے کو حاصل کرنے کا طلب گار ہے آپ دیکھیں گے کہ وہ اس سوال کا سنجیدہ جواب دینے میں کافی وقت صرف کرے گا۔

شہرہ آفاق ماہر نفسیات جے۔ ایچ برمین اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''کامیابی کا راز'' میں تحریر فرماتے ہیں! ''کئی دفعہ ہمیں خود علم نہیں ہوتا کہ ہم کیا سوچتے ہیں اور سب سے دل چسپ بات یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنے ارادوں سے بخوبی واقف ہیں لیکن ہمیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ان ارادوں کو عملی جامہ پہنائیں تو کن حالات سے دو چار ہونا پڑے گا جب بھی میں کسی سے اس کے مقصد حیات پر بات کرتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے غلطی کی ہے کیوں کہ ہر شخص اپنے مقصد حیات سے بخوبی واقف نہیں ہوتا۔''

یاد رکھیے! جس شخص نے اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہیں بنایا وہ اس تیراک کی طرح ہے جو دھند کے موسم میں سمندر میں تیراکی کرے اور اس کو اپنی منزل نظر نہ آ رہی ہو تو وہ تیراک آخر کار ہمت ہار جائے گا اور سمندر کے بیچ و بیچ ہی ڈوب جائے گا یہ ہی حال اس آدمی کا ہو گا جس نے اپنے مقصد کا تعین نہ کیا اگر آپ نے زندگی کا کوئی مقصد بنا لیا ہے تو پھر اس کے لیے اپنی جان کھپا دیں جیسا کہ حدیث شریف میں بھی آتا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) [1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے۔ ہر بھلائی میں ایسی چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے نفع مند ہو اور اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس سے عاجز مت ہو اور اگر تم پر کوئی مصیبت واقع ہو جائے تو یہ نہ کہو کاش میں ایسا ایسا کر لیتا، کیونکہ کاش کا لفظ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔''

اس حدیث میں ایک جملہ ہے کہ تو حرص کر یعنی جان لگا دے ان کاموں کے لیے جو تجھے نفع دیں مقصد میں کامیابی کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا کہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری جان لڑا دو۔

کامیابی کا راز:

تو یہ بات ایک مثال سے بھی سمجھئے ایک نوجوان نے سقراط سے پوچھا کہ کامیابی کا راز کیا ہے سقراط نے کہا مجھے کل صبح دریا کے کنارے ملنا اگلی صبح دریا کے قریب ان کی ملاقات ہوئی تو سقراط نوجوان کو لے کر دریا کے اندر اتر گیا کنارے پر دونوں کے گھٹنوں گھٹنوں تک پانی تھا مگر وہ آگے بڑھتے رہے جب پانی گردنوں تک آن پہنچا تو سقراط نے اس نوجوان کو گردن سے پکڑ کر پانی میں غوطہ دے دیا نوجوان نے بہت زور لگایا اور بڑی سخت جدو جہد کے بعد اپنی گردن چھڑانے اور سانس لینے میں کامیاب ہوا پھولی ہوئی سانسوں کو درست کرنے کے بعد نوجوان نے غصیلی نگاہوں سے سقراط کو دیکھا تو اس نے نوجوان سے پوچھا جب تم پانی میں

[1] الصحيح المسلم، كتاب القدر : ٦٧٧٣

تھے تو تمھیں سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش تھی؟ نوجوان نے کہا سانس لینے کی اور اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

سقراط نے کہا: ''یہ ہی ہے کامیابی کا راز اپنے مقصد کو پا لینے کی شدید خواہش اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے سخت جدوجہد۔''

اور اس بات کی دلیل رسول اللہ ﷺ کے واقعات سے ملتی ہے ان میں سے ایک واقعہ درج ذیل ہے:

سرداران قریش ابو طالب کے پاس آئے اور بولے ابو طالب! آپ کی شخصیت ہمارے اندر معزز ہے اور ہم آپ سے دوبارہ کہہ رہے ہیں کہ اپنے بھتیجے (یعنی محمد ﷺ) کو روکیے، یاد رکھیں! ہم اسے اور برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دے ہماری عقل و فہم کو حماقت زدہ قرار دے اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کرے، آپ روک دیجیے ورنہ ہم آپ سے اور محمد ﷺ سے ایسی جنگ چھیڑیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔ ابو طالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: ''بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں، اب مجھ پر اور خود پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ ﷺ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے وہ بھی آپ ﷺ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں اس لیے فرمایا: ''چچا جان! خدا کی قسم، اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں کہ میں اس مقصد سے پیچھے ہٹ جاؤں تو تب بھی نہیں ہٹوں گا یا تو اللہ تعالیٰ (مجھے اس مقصد میں کامیاب کر دے) اسے غالب کر دے یا میں اسی (مقصد کی) راہ میں فنا ہو جاؤں۔''

جب ابو طالب نے نبی کریم جناب محمد ﷺ کی ذات بابرکت کو اپنے مقصد میں اتنا سنجیدہ پایا تو ابو طالب پکار اٹھے اے میرے بھتیجے! جاؤ جو چاہو کہو، خدا کی قسم! میں تمھیں کبھی

بھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔ ❶

اور یہ اشعار کہے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوْسَدَ فِى التُّرَابِ دَفِيْنًا
فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَاعَلَيْكَ غَضَاضَةٌ
وَاَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُوْنًا ❷

”بخدا! وہ لوگ تمھارے پاس اپنی جمعیت سمیت بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کر دیا جاؤں تم اپنی بات کھلم کھلا کہو تم پر کوئی قدغن نہیں تم خوش ہو جاؤ اور تمھاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہو جائیں۔“

آپ ﷺ نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنی پوری قوت لگا دی جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرت سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے اپنی پوری قوت لگا دیں۔

ہمیں اپنے دل سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کہیں ہمارے مقاصد سراسر خود غرضانہ تو نہیں یا پھر ہمارے ان مقاصد سے دوسروں کو بھی کوئی نفع پہنچ سکتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا کمزور انسان بھی اپنی صلاحیتوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے کچھ نہ کچھ مفید کام انجام دے سکتا ہے لیکن جو شخص اپنی قوت اور توانائی کسی اچھے مقصد کے لیے استعمال نہ کرے وہ کتنا ہی طاقتور یوں نہ ہو کبھی کوئی کارنامہ انجام دینے کے قابل نہ ہوگا۔

اس بات کو ایک مثال کے ساتھ سمجھیں ایک آدمی زمین سے پانی نکالنے کے لیے زمین کو کھودنا شروع کرتا ہے اور پانچ چھے فٹ کھدائی کر کے رک جاتا ہے اس وجہ سے کہ یہاں سے پانی نہیں نکلا پھر نئی جگہ سے زمین کو کھودنا شروع کر دیتا ہے اور پانچ چھے فٹ کھدائی کر کے رک

❶ سيرت ابن هشام: ١/ ٢٦٥، ٢٦٦

❷ مختصر السيرة، الشيخ محمد بن عبدالوهاب، ص: ٦٨

جاتا ہے اس وجہ سے کہ یہاں سے پانی نہیں نکلا اور پھر نئی جگہ سے زمین کو کھودنا شروع کر دیتا ہے اور اگر اسی طرح ساری زندگی کرتا رہے تو اپنے مقصد میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے صرف ایک سمت میں اپنی پوری طاقت وتوانائی صرف کرنی ہوگی ، یہی حال ہماری زندگی کا ہے، زندگی کو کامیاب کرنے کے لیے ہمیں ایک ہی سمت میں اس وقت تک اپنی پوری طاقت لگانی ہوگی جب تک ہم اس کی منزل تک نہ پہنچ جائیں۔ بے مقصد زندگی ایک ایسی کشتی ہے جس کے پتوار نہ ہوں۔

مقصد زندگی کا تعین کرنے میں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ مقصد تعمیری ہو کسی قسم کا تخریبی یا غیر تعمیری مقصد حیات نہ صرف ملک وقوم بلکہ اپنے لیے بھی نقصان دہ ہوتا ہے ہمارے ارد گرد ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو نہایت گھٹیا اور نیچ چیزوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں۔

اختتام بحث:

اس بحث میں پڑنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ نے ابھی تک اپنے مقصد زندگی کا تعین نہیں کیا تو اب کر لیجیے اسے باقاعدہ کاغذ پر تحریر کیجیے اور یہ بھی لکھ دیجیے کہ آپ کب اور کیسے اس مقصد کو حاصل کرنے کے کوشش کریں گے۔

ہمیشہ پرامید رہنا

اگر آپ نے اپنی زندگی میں کسی مقصد کا تعین کرلیا ہے تو پھر اس مقصد کے مثبت نتائج ذہن میں رکھتے ہوئے پرامید رہیں اور اس مقصد کے لیے خوب محنت کریں سوچنا (thinking) ہماری دنیا کا ایک ناقابل فہم حد تک عجیب عمل ہے اور اس میں امید کا عمل بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اسی امید پر دنیا قائم ہے مثلاً اگر کوئی بیمار ہے تو وہ اس امید سے جی رہا ہے کہ ایک دن وہ ضرور صحت یاب ہوگا، اگر کوئی دکھی اور لاچار ہے تو وہ اس امید سے زندگی گزار رہا ہے کہ ایک دن وہ ضرور سکھ اور چین کی زندگی پائے گا اور اگر کوئی فقر و فاقہ کا مارا ہوا ہے تو وہ اس امید پر زندگی بسر کر رہا ہے کہ ایک دن ضرور اس کی مالی حالت ٹھیک ہوگی اور اگر کوئی قید خانے میں ہے تو وہ اسی امید سے دن گزار رہا ہے کہ ایک دن ضرور بالضرور رہائی پالے گا۔

یاد رکھیے! اگر کسی انسان کے وجود سے امید کی کرن نکل گئی تو وہ جینا ہی چھوڑ دے گا۔

یہ ریسرچ بتاتی ہے کہ آدمی کسی بحرانی حالت سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے اندر چھپی ہوئی امید کی کرن فطری صلاحیت کے تحت اس کے اندر ذہنی طوفان (Brain storming) کی ایک کیفیت جاگ اٹھتی ہے یہ طوفان اس کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلے کا ایک برتر حل (Suferior Solution) دریافت کرلے اور مسئلے کا حل معلوم ہو جانے کے بعد کامیابی اتنی ہی ممکن ہو جاتی ہے جتنا شام کے بعد صبح کا آنا اس لیے اگرچہ جتنے بھی ناسازگار حالات ہوں مصائب کے آپ کے اوپر پہاڑ ٹوٹ رہے ہوں پھر بھی آپ اپنے مقصد سے پیچھے مت ہٹیں بلکہ خوب محنت کریں۔

اس کی ایک بڑی مثال ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے۔

سرداران قریش ابو طالب کے پاس آئے اور بولے ابو طالب! آپ کی شخصیت ہمارے اندر معزز ہے اور ہم آپ سے دوبارہ کہہ رہے ہیں کہ اپنے بھتیجے (یعنی محمد ﷺ) کو رد کیجیے اور یاد رکھیں ہم اسے اور برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دے ہماری عقل وفہم کو حماقت زدہ قرار دے اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کرے آپ روک دیجیے ورنہ ہم آپ سے اور محمد ﷺ سے ایسی جنگ چھیڑیں دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔

ابو طالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: ''بھتیجے! تمھاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں اب مجھ پر اور خود پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اب آپ ﷺ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہ بھی آپ ﷺ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں، اس لیے فرمایا: ''چچا جان! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس مقصد سے پیچھے ہٹ جاؤں تو تب بھی نہیں ہٹوں گا یا تو اللہ تعالیٰ (مجھے اس مقصد میں کامیاب کر دے) اسے غالب کر دے یا میں اسی (مقصد کی) راہ میں فنا ہو جاؤں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔''[1]

یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا میں اپنے کام سے باز نہیں آنے والا چاہے وہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں۔

اس جملے کے پیچھے ایک ہی منطق تھی وہ تھی امید کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری دعوت کو غالب کرے گا۔

آج بھی یہ مثال تمام لوگوں کے لیے زندہ ہے چاہے وہ عالم ہو ڈاکٹر ہو انجینیر ہو یا سیاست دان ہو ہر کوئی اپنے مفید کام میں پوری جان لڑا دے اگرچہ اس کو بے شمار پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے ایک وقت آئے گا کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۶۶، ۲۶۵

﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ (الانشراح : ٩٤/٥)

''پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔''

ہمیشہ پرامید ہی رہنا چاہیے کیوں کہ مایوسی کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ (الزمر : ٣٩/٥٣)

''اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔''

لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ایک کمزوری کا ذکر کیا ہے اور وہ کمزوری ہے ناامیدی لیکن ایک سچا مومن کبھی بھی اپنے رب سے ناامید نہیں ہوتا۔

ناامید صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو مادہ پرست ہیں کیونکہ ان کا رب پر بھروسہ نہیں بلکہ دنیا کے وسائل پر ہوتا ہے اور جب دنیا کے وسائل ان کا ساتھ چھوڑ دیں تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((عَنْ رَجُلٍ ، قَالَ قُلْتُ لِعَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْكَ ، قَالَ نَعَمْ ، لَمَّا بَلَغَنِي خُرُوجُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَكَرِهْتُ خُرُوجَهُ كَرَاهَةً شَدِيدَةً، خَرَجْتُ حَتَّى وَقَعْتُ نَاحِيَةَ الرُّومِ ، وَقَالَ يَعْنِي يَزِيدَ بِبَغْدَادَ ، حَتَّى قَدِمْتُ عَلَى قَيْصَرَ ، قَالَ :فَكَرِهْتُ مَكَانِي ذَلِكَ أَشَدَّ مِنْ كَرَاهِيَتِي لِخُرُوجِهِ ، قَالَ :فَقُلْتُ :وَاللَّهِ ، لَوْلَا أَتَيْتُ هَذَا الرَّجُلَ ، فَإِنْ كَانَ كَاذِبًا لَمْ يَضُرَّنِي ، وَإِنْ كَانَ صَادِقًا عَلِمْتُ ، قَالَ :فَقَدِمْتُ فَأَتَيْتُهُ ، فَلَمَّا قَدِمْتُ قَالَ النَّاسُ :عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ ، عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ :فَدَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ لِي :يَا عَدِيُّ بْنَ حَاتِمٍ ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ ثَلَاثًا ، قَالَ :قُلْتُ :إِنِّي عَلَى دِينٍ ، قَالَ

:أَنَا أَعْلَمُ بِدِينِكَ مِنْكَ فَقُلْتُ :أَنْتَ أَعْلَمُ بِدِينِي مِنِّي ؟ قَالَ: نَعَمْ ، أَلَسْتَ مِنَ الرَّكُوسِيَّةِ ، وَأَنْتَ تَأْكُلُ مِرْبَاعَ قَوْمِكَ ؟ قُلْتُ :بَلَى ، قَالَ :فَإِنَّ هَذَا لاَ يَحِلُّ لَكَ فِي دِينِكَ ، قَالَ :فَلَمْ يَعْدُ أَنْ قَالَهَا ، فَتَوَاضَعْتُ لَهَا ، فَقَالَ :أَمَا إِنِّي أَعْلَمُ مَا الَّذِي يَمْنَعُكَ مِنَ الإِسْلاَمِ ، تَقُولُ :إِنَّمَا اتَّبَعَهُ ضَعَفَةُ النَّاسِ ، وَمَنْ لاَ قُوَّةَ لَهُ ، وَقَدْ رَمَتْهُمُ الْعَرَبُ أَتَعْرِفُ الْحِيرَةَ ؟ قُلْتُ :لَمْ أَرَهَا ، وَقَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ :فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَيُتِمَّنَّ اللَّهُ هَذَا الأَمْرَ ، حَتَّى تَخْرُجَ الظَّعِينَةُ مِنَ الْحِيرَةِ ، حَتَّى تَطُوفَ بِالْبَيْتِ فِي غَيْرِ جِوَارِ أَحَدٍ ، وَلَيَفْتَحَنَّ كُنُوزَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ قَالَ :قُلْتُ: كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ ؟ قَالَ :نَعَمْ ، كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ ، وَلَيُبْذَلَنَّ الْمَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ قَالَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ :فَهَذِهِ الظَّعِينَةُ تَخْرُجُ مِنَ الْحِيرَةِ ، فَتَطُوفُ بِالْبَيْتِ فِي غَيْرِ جِوَارٍ ، وَلَقَدْ كُنْتُ فِيمَنْ فَتَحَ كُنُوزَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَكُونَنَّ الثَّالِثَةُ ، لأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَهَا)) [1]

''ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث معلوم ہوئی ہے، لیکن میں اسے خود آپ سے سننا چاہتا ہوں انہوں نے فرمایا بہت اچھا، جب مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کی خبر ملی تو مجھے اس پر بڑی ناگواری ہوئی میں اپنے علاقے سے نکل کر روم کے ایک کنارے پہنچا اور قیصر کے پاس چلا گیا لیکن وہاں پہنچ کر مجھے اس سے زیادہ شدید ناگواری ہوئی جو بعثت نبوت کی اطلاع ملنے پر ہوئی تھی، میں نے سوچا کہ

[1] مسند احمد: ۱۸٤٩/۸

میں اس شخص کے پاس جا کر تو دیکھوں اگر وہ جھوٹا ہو تو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اگر سچا ہوا تو مجھے معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ میں واپس آ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو لوگوں نے عدی بن حاتم، عدی بن حاتم کہنا شروع کر دیا میں نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عدی! اسلام قبول کرلو سلامتی پا جاؤ گے۔ تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا میں نے عرض کیا کہ میں تو پہلے سے ایک دین پر قائم ہوں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے زیادہ تمہارے دین کو جانتا ہوں۔'' میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ سے زیادہ میرے دین کو جانتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں! کیا تم ان میں سے نہیں ہو جو اپنی قوم کا چوتھائی مال غنیمت کھا جاتے ہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا حالانکہ یہ تمہارے دین میں حلال نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے اس سے آگے جو بات فرمائی میں اس کے آگے جھک گیا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہیں اسلام قبول کرنے سے کون سی چیز مانع لگ رہی ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اس دین کے پیروکار کمزور اور بیمار لوگ ہیں جنہیں عرب نے دھتکار دیا ہے، یہ بتاؤ کہ تم شہر حیرہ کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ دیکھا تو نہیں ہے البتہ سنا ضرور ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ اس دین کو مکمل کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک عورت حیرہ سے نکلے گی اور کسی محافظ کے بغیر بیت اللہ کا طواف کر آئے گی اور عنقریب کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے میں نے تعجب سے پوچھا کسریٰ بن ہرمز کے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں! کسریٰ بن ہرمز کے اور عنقریب اتنا مال خرچ کیا جائے گا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔'' حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ واقعی اب ایک عورت حیرہ سے نکلتی ہے اور کسی محافظ کے بغیر بیت اللہ کا طواف کر جاتی ہے اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کرنے والوں میں

تو میں خود بھی شامل تھا اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!
تیسری بات بھی وقوع پذیر ہو کر رہے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی پیش گوئی فرمائی ہے۔''

اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکت سب سے زیادہ حوصلہ مند ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقاصد میں پر امید تھے کہ ایک دن میرا اللہ ان کو ضرور پورا کرے گا۔

دلیل

﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۝ ﴾

(ھود : ۱۱/۹)

''اور یقیناً اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کوئی رحمت چکھائیں، پھر اسے اس سے چھین لیں تو بے شک وہ یقیناً نہایت ناامید، بے حد ناشکرا ہوتا ہے۔''

اگر ہم غور کریں تو اس آیت میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ایک ناامید اور دوسرا ناشکرا یعنی جب انسان کی امیدوں پر پانی پھر جائے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے اگر اس کی کوئی امید اللہ تعالیٰ سے وابستہ تھی اور اللہ نے کسی مصلحت کی بنا پر وہ پوری نہیں کی تو وہ اللہ کا ناشکرا بن جائے گا اور اسی طرح اگر کسی انسان سے کوئی امید ہو تو وہ اس امید پر پورا نہ اترے تو تب بھی وہ اس کا ناشکرا بن جائے گا۔

لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں انسان کو صرف اپنی تمام امیدیں اللہ تعالیٰ ہی سے وابستہ رکھنی چاہیے نہ کہ کسی انسان سے۔

دوسری دلیل:

حضرت یعقوب علیہ السلام چالیس سال تک اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھوئے رہے، لیکن کبھی بھی وہ ایک دن اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے اتنی امید تھی کہ ایک دن میرا یوسف صحیح سلامت مجھے ضرور ملے گا اسی لیے تو سیدنا یعقوب

نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا:

﴿ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (یوسف : ۱۲/ ۸۷)

''اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔''

اس واقعہ سے معلوم ہوا اگر مومن کی چالیس سال تک بھی امید پوری نہ ہو تو وہ پھر بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں اور ہمیشہ پر امید رہیں۔

ان شاء اللہ ایک دن کامیابی ہمارے ضرور قدم چومے گی۔

ایک عرب کہاوت ہے:

''جس کے پاس صحت ہے اس کی امیدیں بھی زندہ ہیں اور جس کے پاس امید ہے اس کے پاس سب کچھ ہے۔''

نوٹ:

جو سہولیات میسر ہیں ان کو کام میں لائیں اور اپنی زندگی سے پر امید رہیں۔

کامیابی آپ کی دہلیز پر

جب آپ پرامید ہوکر اپنے مقصد کے حصول کے لیے محنت کریں گے تو کامیابی آپ کی دہلیز پر ہوگی۔ کیوں کہ انسان جس مفید چیز کے لیے محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرتا ہے انسان کے لیے وہی ہے جس کے لے وہ محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ (النجم : ۵۳ / ۳۹)

"اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿کُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ ﴾ (الطور: ۵۲ / ۲۱)

"ہر آدمی اس کے عوض جو اس نے کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔"

﴿کُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ﴾ (المدثر: ۷۴ / ۳۸)

"ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا، گروی رکھا ہوا ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ انسان جس کام کے لیے محنت کرتا ہے اس کو اس میں اگر اللہ چاہے تو کامیابی ہوتی ہے۔

آپ کبھی بھی اپنے آپ کو اندھا جان کر یا لنگڑا جان کر دوسرے سے کم تر نہ سمجھیں کیوں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر کوئی دوسری خوبی ضرور رکھی ہوگی۔

اس ضمن میں یہاں ایک صحابی کا واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

جو ایک ٹانگ سے معزور تھے لیکن یہ لنگڑا پن آپ رضی اللہ عنہ کے کسی کام میں رکاوٹ نہ بن سکا

اس عظیم صحابی کا نام ہے سیدنا عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ۔

غزوہ احد کا موقع ہے سیدنا عمرو بن جموع کے تینوں بیٹے دشمن سے مقابلہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں اور صبح و شام بہادر شیروں کی مانند آ جا رہے ہیں اور وہ جام شہادت نوش کرنے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر دم بے چین ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے جذبہ جہاد سے متاثر ہو کر خود بھی میدان کارزار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے دشمن سے نبرد آزما ہونے کا عزم کر لیا لیکن بیٹوں نے اپنے باپ کو اس ارادے سے روکا۔

کیوں کہ ایک تو وہ عمر رسیدہ تھے مزید برآں وہ ایک ٹانگ سے معزور بھی تھے بیٹوں نے عرض کی ابا جان! اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ معزور ہیں آپ یہ تکلیف نہ اٹھائیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے باپ اپنے بیٹوں کی باتیں سن کر رنجیدہ خاطر ہوئے اور رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کہ شکوہ کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بیٹے مجھے جہاد میں شریک ہونے سے روک رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ میں لنگڑا ہوں اللہ کی قسم! میں تو لنگڑاتا ہوا جنت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شوق دیکھ کر ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا: ''انھیں جہاد میں شریک ہونے دو۔ شاید اللہ تعالیٰ انھیں شہادت نصیب فرما دیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر بیٹوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ [1]

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ جس طرح صحابی رسول رضی اللہ عنہ کو اس کا لنگڑا پن بھی جہاد جیسے کٹھن اور مشکل کام سے بھی نہیں روک سکا تو پھر ہمیں بھی یہ جان لینا چاہیے کہ ہماری بھی کسی قسم کی معذوری ہمارے کسی مفید کام میں آڑے نہیں ہونی چاہیے کیونکہ کامیابی کسی کی میراث نہیں اسی لیے تو صحابی رسول رضی اللہ عنہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا وہ ایک ٹانگ سے محروم ہونے کے باوجود اگر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو سکتا ہے تو وہ لوگ بھی یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں جن کی آنکھیں سلامت اور دست و بازو موجود ہیں۔

---

[1] حیات صحابہ کے درخشاں پہلو: ۱۰۶، ۱۰۷۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو لامحدود قوتیں ودیعت کی ہیں اگر وہ ان کا ادراک کرے تو وہ اپنی ذات پر ایک ایسا اعتماد پیدا کر سکتا ہے جسے دنیا کی کوئی مصیبت یا آفت متزلزل نہیں کر سکتی وہ زندگی کے چاہے جس شعبے سے تعلق رکھتا ہو کامیابی اور کامرانی اس کے قدم چومے گی۔

ناکام اور روتی بسورتی زندگی بسر کرنے والوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انھیں اپنی ذات پر اعتماد نہیں ایسے لوگ زندگی کی جدو جہد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ان کی ساری زندگی پریشانیوں اور ناکامیوں میں بسر ہو گی اللہ تعالیٰ نے جو ان کو صلاحتیں دی ہیں انھوں نے اس کے مقابلے اپنی بہت کم قیمت لگائی ہے۔

کردار کی صحیح تعمیر اور اپنی ذات پر اعتماد بحال رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل دو تین باتیں ضروری ہیں۔

اول:

روزانہ تنہائی کے چند لمحات نکال کر اپنی صلاحیتوں اور کارکردگی کا بغور جائزہ لیں۔

دوم:

بری عادتوں کے خلاف قوت ارادی کا مضبوط حصار قائم کریں اور ان کی سرکوبی کے لیے اپنی پوری قوت اور ذہنی وسائل بروئے کار لائیں۔

سوم:

زندگی کی گہما گہمی اور حلال رزق کے لیے پورے جوش و خروش سے حصہ لینے کا مظاہرہ کریں۔

نوٹ:

لہٰذا اپنی کسی بھی معذوری کو عذر بنا کر اپنی صلاحیتوں کو مسخ مت کرو۔

غصے پر قابو

جب آپ کا مقصد پورا نہیں ہوتا یا پھر آپ کی کوئی خواہش آرزو ادھوری رہ جاتی ہے تو آپ کو غصہ آتا ہے حالانکہ آپ یہ نہیں جانتے جو مناسب تھا اللہ تعالیٰ نے وہی آپ کے لیے کیا۔

مثال کے طور پر آپ نے کوئی کاروبار شروع کیا لیکن آپ کو اس کاروبار میں نقصان ہوا تو یہی آپ کے لیے بہتر تھا کیوں کہ شاید اگر آپ کا کاروبا چل پڑتا اور آپ کا لالچ بڑھ جاتا تو یہ پیسہ آپ کے لیے فتنہ بن جاتا دنیا اور آخرت دونوں کے لیے جب آپ یہ سوچ لیں گے جو اللہ کے ہاں بہتر ہے وہی میرے لیے ہوا ہے تو آپ خود بخود اپنے غصے پر قابو پالیں گے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ﴾ (الحدید : ٥٧/٢٣)

''تاکہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے''

غصے پر قابو پایا جاسکتا ہے، لیکن اس کے لیے کوشش اور عملی اقدامات ضروری ہیں زیر نظر مضمون میں ایسی تدابیر درج ذیل ہیں:

❁ غصے پر قابو پانے کے لیے سب سے اہم بات قوت برداشت ہے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر (Tolerance) قوت برداشت پیدا کرے اپنے اندر جذباتی توازن پیدا کرے بات بات پر غصہ کرنے کی عادت سے شعوری طور پر لڑتے ہوئے قوت برداشت کا مادہ جوں جوں آپ کے اندر بڑھتا جائے گا تو ایک وقت آئے گا کہ غصہ آپ کے اندر سے بالکل نکل جائے گا ورنہ غصہ انسان کو بہت زیادہ نقصانات پہنچاتا ہے اس کا آپ کو اندازہ نہیں

مثلاً انسان بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے، محبت ختم ہو جاتی ہے، معاشی طور پر بھی وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اپنی توانائیاں مثبت کاموں پر صرف کرنے کی بجائے منفی کاموں پر لگا دیتا ہے۔

اس کو ایک واقعہ سے سمجھئے:

سروشن پاکر (موتی نگر) کی جھگیوں میں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام اننت رام تھا اور اس کی عمر 35 سال تھی وہ شراب کا عادی تھا اس کے پاس شراب کے لیے پیسہ نہیں تھا اس نے اپنی بیوی سے پیسا مانگا بیوی نے شراب کے لیے پیسے دینے سے انکار کر دیا اس پر میاں اور بیوی میں تکرار ہوگئی اس کے بعد ٹائمس آف انڈیا (29 مارچ 1990) کے الفاظ میں جو کچھ ہوا یہ تھا۔

مجرم جو کہ شراب کا عادی تھا اس وقت غصہ ہو گیا جب کہ اس کی بیوی نے اس کو وہ رقم نہ دی جو اس نے مانگی تھی غصہ سے بے قابو ہو کر اس نے اپنے دو سال کے بچے (ارجن) کو لیا اور اس کو کئی بار اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹخا اس کے نتیجہ میں اس کا بچہ اسی وقت مر گیا۔ [1]

جب آدمی غصے میں ہو تو اس وقت وہ شیطان کے قبضہ میں ہوتا ہے اس وقت وہ کوئی بھی غیر انسانی حرکت کر سکتا ہے حتیٰ کہ خود اپنے بیٹے کو بے رحمانہ طور پر ہلاک کر سکتا ہے یہ ایک ایسی کمزوری ہے جو ہر آدمی کے اندر موجود ہے ایسی حالت میں سماج کے اندر محفوظ اور کامیاب زندگی حاصل کرنے کی صورت صرف ایک ہی ہے کہ آدمی دوسروں کو غصہ دلانے سے بچے اور خود بھی غصے کی شدت سے اپنے دامن کو جلنے سے بچائے۔

کیوں کہ غصہ اور انتقام کی برائی کا تعلق کسی قوم سے نہیں وہ ہر انسان کے مزاج میں شامل ہے خواہ وہ کسی بھی قوم یا کسی بھی ملک سے تعلق رکھتا ہو۔

غصہ ایک ایسی بری چیز ہے۔

- کہ مسکراتے ہوئے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔
- اطمینان قلب کو اضطراب قلب بنا دیتا ہے۔

[1] ٹائمز آف انڈیا: ۲۹ مئی ۱۹۹۰ء۔

- سکھ والی زندگی کو دکھ والی بنا دیتا ہے۔
- ہنستے بستے گھروں کو ویران کر دیتا ہے۔
- دوستی کو دشمنی میں بدل دیتا ہے۔
- امیری کو غریبی میں بدل دیتا ہے۔
- خوشی کو غم میں بدل دیتا ہے۔
- انسانیت کو حیوانیت میں بدل دیتا ہے۔
- عقل کو پاگل پن میں بدل دیتا ہے۔
- ہوش وحواس کو مدہوشی میں بدل دیتا ہے۔
- محبت کو نفرت کے باب میں تبدیل کر دیتا ہے۔
- بہار کو خزاں میں بدل دیتا ہے۔
- صلہ رحمی کے پہلو کو وحشت کے پہلو میں داخل کر دیتا ہے۔
- اجالے کو اندھیرے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

ان تمام باتوں کو ایک اور واقعہ کے ساتھ سمجھیں۔

دہلی میں قرول باغ کے علاقہ میں اجمل خان روڈ ہے، یہاں ایک ساتھ جوتے کی دوکانیں تھیں ایک دکان کے مالک کا نام سریندر کمار تھا اور دوسری دکان کے مالک کا نام بلراج اروڑا تھا۔ایک ہفتہ پہلے سریندر کمار کی دکان سے ایک شخص نے ایک جوڑا جوتا خریدا دکان دار نے اس کی قیمت 180 روپے حاصل کی گاہک باہر نکلا تو دوسرے دوکاندار بلراج اروڑا نے اس کو آواز دے کر بلایا اس کا جوتا دیکھ کر پوچھا کہ اس کو تم نے کتنی قیمت میں خریدا اس نے بتایا کہ 180 روپے میں بلراج نے اسے اسی قسم کا جوتا اپنی دکان سے نکال کر دکھایا اور کہا کہ دیکھو یہ وہی جوتا ہے اور یہ میں تم کو صرف 135 روپے میں دے سکتا ہوں گاہک غصہ ہو گیا وہ جوتا لے کر دوبارہ سریندر کمار کے ہاں آیا اور کہا کہ تم نے قیمت زیادہ لی ہے مجھ کو 45 روپے واپس کرو اس پر سریندر کمار بگڑ گیا اور پڑوس کی دوکان پر جا کر بلراج اروڑا کو ڈانٹنے لگا کچھ

لوگوں نے درمیان میں پڑ کر فوری طور پر دونوں کو اپنی اپنی دکان میں واپس بھیج دیا مگر غصہ بدستور باقی رہا یہاں تک کہ ایک ہفتہ بعد 13 اکتوبر 1992 کو سریندر کمار نے بلراج اروڑا سے تیز تیز باتیں کیں اور آخر کار جیب سے ریوالور نکالا اور ایک کے بعد ایک چھ گولیاں اس کے اوپر خالی کر دیں۔ بلراج اروڑا کو فوراً لوبیا ہسپتال لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے اس کو مردہ قرار دیا اب قاتل کا معاملہ عدالت میں ہے اب یا تو مقتول کی طرح قاتل کو بھی پھانسی پر لٹکایا جائے گا یا قاتل لاکھوں روپیہ خرچ کر کے مقدمے کو اپنے موافق بنائے گا اور عدالت سے رہائی کا فیصلہ کرے گا۔ ❶

مالی موت:

قاتل اگر غصہ اور انتقام سے مغلوب نہ ہوتا تو بہت آسانی کے ساتھ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کے لیے زیادہ بہتر صورت یہ تھی کہ وہ مذکورہ گاہک کو 45 روپیہ ادا کر کے اسے رخصت کر دیتا اور پھر جہاں تک پڑوسی دکاندار کا مسئلہ ہے اس کو تجارتی انداز میں حل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس لیے تو قرآن وحدیث میں غصہ کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

دلیل:

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝﴾ (الشوریٰ: ۴۲/۳۷)

”اور وہ لوگ جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور جب بھی غصے ہوتے ہیں وہ معاف کر دیتے ہیں۔“

دوسری دلیل:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران: ۳/۱۳۴)

”جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں

❶ ڈیلی پائنیر ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء

سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

قرآن کی ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ اپنے اندر قوت برداشت وہی پیدا کرسکتا ہے جس کے اندر تقوی جیسی اعلیٰ چیز موجود ہو۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طاقتور پہلوان وہ آدمی نہیں ہے کہ کشتی کرتے وقت اپنے مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان تو وہ آدمی ہے کہ جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب فرمایا ہے کہ پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے کیوں کہ غصے سے زیادہ گرم آگ بھی نہیں ہوتی۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

لاف سر پجگی و دعوی مردی بگراز
عاجز نفس خرد مایه چه مردی چه زنی
گرت از دست برآید دهنی شرین کن
مردی آن نیست که مشتی بزنی بردهنی
گرت خود بردار پیشانی پیل
نه مرد ست آنکه دردی مردمی نیست
بنی آدم سرشت از خاك دارد
اگر خاکی نبا شد آدمی نیست

[1] الصحیح البخاری، کتاب الادب: ٦١١٤

کسی صاحب نے ایک پہلوان کو دیکھا جس کا چہرا غصہ سے لال پیلا ہو رہا تھا اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی پوچھا کہ اسے کیا ہوا لوگوں نے کہا کہ فلاں نے اس کو گالی دی ہے، بزرگ نے کہا یہ کم حوصلہ رکھنے والا آدمی ہزار من کا پتھر اٹھا لیتا ہے مگر چھوٹی سی بات کو برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

پہلوانی کی ڈینگیں مارنا اور بہادری کے دعوے چھوڑ دے کیوں کہ جو نفس کا غلام ہے وہ مرد عورت کے برابر ہے، اگر تجھ سے ہو سکے تو کسی کے منہ کو میٹھا کر، بہادری یہ نہیں کہ کسی کے منہ پر مکا رسید کر دے۔

کوئی اگر ہاتھی کی پیشانی بھی پھاڑ دے تب بھی وہ بہادر نہیں اگر اس میں انسانیت نہ ہو انسان خاک کا پتلا ہے اس میں عاجزی نہ ہو تو وہ آدمی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

ارسطو نے کیا خوب کہا:

جو ایک لمحہ کے لیے غصہ کو پی جائے وہ پورے المناک دن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہو جاتا ہے۔

غصہ کی مقدار بات چیت میں اتنی ہونی چاہیے جیسے کھانے میں نمک کہ جب تک اعتدال پر رہتا ہے تو ہاضم ورنہ فاسد۔

غصہ عقل کو کھا جاتا ہے، اس لیے جب بھی کوئی غیر موافق صورت حال پیدا ہو تو بجائے غصہ کرنے کے چند منٹ تک اس کا تجزیہ کریں اور اس مسئلے کی گہرائی تک جائیں کہ کیا مسئلہ واقعی اس قابل ہے کہ آپ اس پر اشتعال میں آئیں اور اپنی بے پناہ توانائی صرف کریں، اگر یہ مسئلہ اس قابل نہ ہو تو فوری طور پر اسے مسترد کر دیں اور ذہن کو پرسکون بنا لیں اگر کوئی مسئلہ بے پناہ اہمیت رکھتا ہو تو اسے حل کریں بجائے مشتعل ہونے کے اپنی توانائی مثبت طریقے سے صرف کریں۔

یہ بے حد ضروری ہے کہ آپ غصہ کی حالت میں کوئی بھی کام سرانجام نہ دیں اور نہ ہی کسی محفل اور [illegible] کسی دوسرے کے [illegible] جائیں [illegible] بالکل [illegible] نہیں [illegible] آ جائیں گے

آپ غصہ کی حالت میں درپیش مسئلہ کا حل نہ پاسکیں اور اس کی طرف توجہ بھی نہ دے سکیں تو پھر آپ فوری کوئی جسمانی کام کرنا شروع کر دیں۔ جب آپ کو غصہ آئے تو اگر آپ بیٹھے ہیں تو کھڑے ہو جائیں، اگر کھڑے ہیں تو وہاں سے چلے جائیں، اگر محفل میں ہیں تو تنہا ہو جائیں اور اگر پھر بھی غصہ نہ اترے تو وضو کریں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْغَضَبَ مِنْ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنْ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ)) [1]

"غصہ شیطانی اثر سے آتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور آگ کو پانی بجھا دیتا ہے پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ وضوء کر لے۔"

نوٹ:

...... اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے غصہ کرنے کی سخت مذمت کی ہے لہٰذا ہمیں غصے سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش اور تدبیری اقدامات استعمال کرنے چاہییں۔

[1] سنن ابو داود، معارف الحدیث، کتاب الاخلاق : ١٦٥

ذہنی دباؤ کا شکار

انسان اس وقت سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے جب مسلسل اس کے دماغ میں غصے کی لہر دوڑتی ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان جو ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا ہو دراصل اپنے بیتے ہوئے دنوں کا مریض ہے ماضی کے اثرات میں جکڑا ہوا ہے اس کی پریشان کن علامات درحقیقت اس کی زندگی کی ناخوش اور بھلائی ہوئی (دبائی ہوئی) داستان کی یادگار ہیں ذہنی دباؤ کا شکار مریض تلخ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔

مثلاً ایک معزز خاتون نے اپنے جنسی جذبات کو دبا تو دیا لیکن (یعنی وہ کہتی کہ میں نے شادی نہیں کرنی) لیکن اب ہر گفتگو میں جوشیلے انداز میں ''درختوں'' کے لیے اپنی شدید محبت کا تذکرہ کرتی ہے۔

ہماری روزمرہ زندگی میں اسطرح کی اکثر واضح مثالیں نظر آتی ہیں ایک خاتون دوسری عورت پر اخلاقی گمراہیوں کا الزام تھوپ دیتی ہے، درحقیقت وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہوتی ہے کہ کہیں وہ عورت مجھ سے عزت و تکریم میں آگے نہ بڑھ جائے ایک مرد دوسرے شخص پر کج روی کی تہمت لگا دیتا ہے لاشعوری طور پر وہ اس کی کاروباری کامیابی سے ڈرتا ہے۔

انسان کے ہر خیال، عمل، تصور اور علامت کی بنیاد کوئی نہ کوئی جبلی خواہش ہوتی ہے، یہ خواہش انسان کو خاص حاجت پیش کرتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ تہذیب اسے تسکین نہ پہنچائے انسان کے اعمال اور حرکات کی ایسی متعدد مثالیں مشاہدہ میں آتی ہیں جب خواہش اور جذبہ ہر دیکھنے والے پر بخوبی واضح ہوتا ہے، لیکن فقط وہی شخص اپنی خواہش سے بے بہرہ ہوتا ہے وہ لڑکی جو نہایت جوش و خروش سے کسی لڑکی کے لباس کی عیب جوئی کرتی ہے یہ لا

شعوری حقیقت تسلیم نہیں کر سکتی کہ میں چاہتی ہوں کہ کاش میں بھی اس طرح حسین ہوتی کیوں کہ وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔

ایسے لوگ جو ذہنی دباؤ کا شکار رہتے ہیں، اگر وہ مستقل طور پر ذہنی دباؤ میں مبتلا ہیں تو وہ طرح طرح کی ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں جن میں سر درد، نفسیاتی امراض، ڈر، خوف ،اداسی، مایوسی اور ڈپریشن پیدا ہو جاتا ہے، ایسے لوگ معمولی معمولی بات پر پریشان ہو جاتے ہیں انھیں لگتا ہے کہ ان کے ارد گرد رہنے والے لوگ انھیں ہر وقت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں وہ بہت جلدی ہمت ہار کر احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ذیل میں ایسی ذہنی دباؤ کا شکار حضرات کے لیے کچھ تجاویز دی جا رہی ہیں جن پر عمل کر کے ذہنی دباؤ سے بچا جا سکتا ہے۔

- ذہنی دباؤ کے شکار حضرات اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہو جائیں یعنی وہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاں رکھا ہے بالکل صحیح ہے اور یہی ہمارے لیے بہتر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور وہ ہم سے ۷۰ ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے وہ کبھی بھی ہمارے ساتھ برا نہیں کر سکتا اگر انسان یہ سوچ لے تو انشاء اللہ کبھی بھی اپنے کسی نقصان پر بھی ذہنی دباو کا شکار نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴾ (الزخرف : ۳۲/۴۳)

”کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے خود ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں تقسیم کی اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا، تاکہ ان کا بعض، بعض کو تابع بنا لے اور تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

آدمی ماضی میں اپنے ساتھ ہوئے برے حادثات کو نہیں بھلاتا اور ماضی کی یادوں میں کھویا رہتا ہے اور وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے ذہنی دباؤ کے شکار آدمی کو ماضی کی یادوں کو اپنے ذہن سے جھٹکنا ہوگا۔

﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ﴾ (الحدید : ۵۷ / ۲۳)

''تاکہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے''

دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے، ہر بھلائی میں ایسی چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے نفع مند ہو اور اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس سے عاجز مت ہو اور اگر تم پر کوئی مصیبت واقع ہو جائے تو یہ نہ کہو کاش میں ایسا ایسا کر لیتا کیونکہ کاش کا لفظ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔''

اگر ہم پر کوئی بھی مصیبت آئے تو ہم اپنے آپ کو مرنے تک کوستے ہیں کہ شاید میں یوں کرتا تو ایسا ہو جاتا میں ایسے کرتا تو کام درست ہو جاتا ایسی باتیں کرنے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روک دیا ہے، زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان سوالات سے اوپر اٹھ جائیں جو ماضی میں پیش آنے والے دکھ پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسا

[1] الصحیح المسلم، کتاب القدر : حدیث ٦٧٧٤

کیوں کر میرے ساتھ پیش آیا؟ اس سوال کے بجائے آدمی کو ایسی باتوں پر سوچنا چاہیے جو مستقبل کے دروازے کھولنے والے ہوں۔

اب جب کہ یہ پیش آچکا ہے مجھے اس کے لیے کیا کرنا ہوگا؟

موجودہ دنیا اس ڈھنگ پر بنی ہے کہ یہاں لازمی طور پر ناخوش گوار واقعات پیش آتے ہیں انسان بار بار مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے، ایسی حالت میں موجودہ دنیا میں کامیاب زندگی حاصل کرنے کا راز صرف ایک ہے کہ وہ ماضی کو بھول کر مستقبل کے بارے میں سوچے وہ کھوئے ہوئے امکانات پر غم نہ کرے بلکہ اپنی ساری توجہ ان امکانات پر لگا دے جو اب بھی اسے حاصل ہیں جو ابھی تک برباد نہیں ہوئے۔

حال کو ماننا آدمی کے لیے مستقبل کے دروازے کھولتا ہے اور حال کو نہ ماننا آدمی کو حال سے بھی محروم کر دیتا ہے اور آنے والے مستقبل سے بھی۔

- اگر ذہنی دباؤ کے شکار حضرات زیادہ تر چیختے چلاتے ہیں تو انھیں اپنے مزاج میں شائستگی اور دھیما پن لانا بہت ضروری ہے جس سے وہ خود بھی ذہنی سکون محسوس کریں گے اور دوسرے افراد بھی پر سکون رہیں گے۔

کیوں کہ انسان تو انسانیت کے لہجے میں گفتگو کرتا ہے جبکہ گدھا چیختا چلاتا ہے۔

دلیل:

﴿ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ؀ ﴾ (لقمان : ۱۹/۳۱)

''اور اپنی چال میں میانہ روی رکھ اور اپنی آواز کچھ نیچی رکھ، بے شک سب آوازوں سے بری یقیناً گدھوں کی آواز ہے۔''

- اپنے ذہنی دباؤ کو کم کرنے کے لیے صبح سویرے فجر کی نماز اور تلاوت قرآن کے بعد چہل قدمی کریں یعنی صبح سویرے ورزش کریں۔

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال : ۶۰/۸)

''اوران کے لیے جتنی کرسکو قوت کی صورت میں تیاری رکھو۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ)) [1]

''طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے۔''

❁ غیر ضروری اور غیر اہم باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے آپ کو پرسکون رکھیں اور نہ ہی غیر ضروری اور غیر اہم باتیں کریں۔

دلیل:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَمْ يَذْكُرْ اللَّهَ تَعَالَى فِيهِ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرْ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيهِ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِ تِرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [2]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بستر پر لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کا ذکر نہیں کیا تو وہ لیٹنا اس کے لئے باعث ندامت ہوگا۔ اور جس نے کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا تو وہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے باعث حسرت وندامت ہوگی۔''

ایک دوسری دلیل:

((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوْا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ كَثْرَةُ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ

[1] جامع ترمذی، معارف الحدیث، کتاب الذکر

[2] معارف الحدیث، کتاب الذکر: ۱۲

الْقَلْبُ الْقَاسِي))[1]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذکر اللہ کے بغیر زیادہ کلام نہ کرو کیونکہ ذکر اللہ کے بغیر کلام کی کثرت دل کی سختی کا باعث ہے اور یاد رکھو! کہ آدمیوں میں اللہ سے دور سب سے وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔''

﴿ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ ﴾ (الفرقان : ۲۵/۶۳)

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔''

- اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لیے معمولی معمولی باتوں پر خوشی محسوس کریں، کیوں کہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں انسان کو خوش رکھنے میں مدد دیتی ہیں اور ذہنی آسودگی کا سبب بنتی ہیں۔
- نیند کی کمی بھی بہت ذہنی پریشانیوں کا باعث بنتی ہے مکمل آرام صحت کے لیے بہت ضروری ہے اس سے طبیعت میں خوش گواریت پیدا ہوتی ہے اور انسان ہشاش بشاش رہتا ہے ذہنی دباؤ کے شکار آدمی کو زیادہ مرغن کھانوں سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ نظام انہضام کی خرابی بھی ڈپریشن اور سٹریس کا سبب بنتی ہے۔
- انسان کو چاہیے کہ ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ آخرت پر یقین رکھے اور اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزارے جس سے ذہنی دباؤ میں کمی کے ساتھ ساتھ ان کی روحانیت میں بھی اضافہ ہوگا۔
- کسی انسان پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہ کریں جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً

[1] جامع ترمذی، معارف الحدیث، کتاب الذکر : ۱۳

فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے کسی ہلاکت میں ڈالتا ہے، جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری فرمائے گا، جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی سے کوئی مصیبت دور کرے گا تو قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا اور جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

- کسی کا حق مت کھائیں یعنی حرام پیسہ کمانا بھی ذریعہ بے سکونی ہے اور آدمی بے سکون اسی وقت ہوتا ہے جب وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔

میں نے تو حرام خوروں کو دیکھا ہے کہ ان کو تو رات کو صحیح طریقے سے نیند بھی نہیں آتی اپنے سکون کے لیے نشہ آور گولی یا پھر انجکشن لگا کر سوتے ہیں۔

- انسان کو زیادہ انٹرنیٹ بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایک سائنسی رپورٹ کے مطابق انٹرنیٹ کا زیادہ استعمال لڑکوں اور لڑکیوں کو ذہنی دباؤ کا شکار بنانے کا باعث بنتا ہے۔
- ہر قسم کے چھوٹے بڑے سب ہی گناہوں کو چھوڑ دیں کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے بھی انسان ذہنی دباؤ کا شکار واقع ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھیے! ہر عصیان بسبب نسیان ہے نسیان اسی وقت ممکن ہوتی ہے جب انسان ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔

نوٹ:...... ذہنی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ کی تقسیم پر راضی ہو یاد رکھیے! یہ دنیا ارمان پورے کرنے کی جگہ ہے ہی نہیں اور پھر دوسری بات جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے نہ کہ جو ہم چاہیں، اگر ہم اس بات کو سمجھ جائیں تو ہم کبھی بھی ذہنی دباؤ کا شکار نہیں ہو سکتے۔

[1] جامع ترمذی، کتاب الحدود: ۱۶۵۳

تلخ رویہ

جب انسان کی خواہشات پوری نہیں ہوتی تو اس کو غصہ آتا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور جب وہ ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے تو تلخ رویہ اختیار کر لیتا ہے پھر نہ تو اس کو کوئی کام ہی اچھا لگتا ہے اور نہ ہی کسی کی شکل وصورت اچھی لگتی ہے جس کی وہ تعریف کر سکے کیوں کہ وہ لاشعوری طور پر حقیقت کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں، اگر آپ ایسے شخص کو سلام بھی بلائیں گے تو وہ آپ پر غصہ ہو گا اور اگر آپ اس سے کبھی اس کے بھائی کا پوچھ ہی لیں وہ کیسا ہے؟ گھر میں موجود ہے؟ تو اس بات پر وہ آپ سے لڑنا شروع ہو جائے گا اور کہے گا میں تیرا ملازم ہوں مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے، ایسے شخص کے چہرے پر ہمیشہ پریشانی کے آثار نمودار ہوتے ہیں ایسا شخص یقینی طور پر ذہنی دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔

نفسیات کے ایک عالم نے کہا تم ہر جگہ اپنے دوست پا سکتے ہو مگر تم ہر جگہ اپنے دشمن نہیں پا سکتے دشمن تم کو خود بنانا پڑے گا۔

"You can meet friends every where but you cannot meet enemies every where you have to make them."

یہ بات بالکل ٹھیک ہے، حقیقت یہ ہے کہ دوستی انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے اور دشمنی خلاف فطرت چیز ہے مثلاً دو آدمی سادہ طور پر ایک ساتھ رہیں تو ان کی فطرت انھیں دوستی ہی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

دشمنی ہمیشہ اس وقت شروع ہوتی ہے جب دونوں میں سے کوئی شخص ناگوار اور تلخ قول یا عمل کے ذریعے دوسرے شخص کو بھڑکا دے جب بھی کسی کے ساتھ آپ کی دشمنی قائم ہو جائے

تو اس کو مستقل نہ سمجھ لیجئے، فطرت کے قانون کے مطابق دوستی کی حالت مستقل حالت ہے نہ کے دشمنی کی حالت۔ آپ وقتی حالت کو دوبارہ مستقل حالت کی طرف لے جانے کی کوشش کیجیے آپ یقیناً کامیاب ہوں گے بشرطیکہ آپ نے اس کے لیے حکیمانہ طریقہ اختیار کیا ہو۔

اس دنیا میں سب سے طاقت ور چیز فطرت ہے کسی چیز کی جو فطرت اس کے خالق نے لکھ دی ہے اس سے ہٹنا اس کے لیے ممکن نہیں جمادات، نباتات، حیوانات سب کے سب اپنی مقرر کی ہوئی فطرت پر چلتے ہیں وہ کبھی بھی اس سے نہیں ہٹتے فارسی کا ایک مقولہ ہے:

جبل می گرد جبلت نمی گردنت

مثلاً آپ سورج کو دیکھ لیں اس کی فطرت میں ہے کہ وہ روز صبح کو مشرق سے نکلتا ہے اور شام کو مغرب میں غروب ہوتا ہے، اور یاد رکھیے! جس دن سورج نے خلاف فطرت کام کیا یعنی مشرق کی بجائے مغرب سے نکلا تو اس لمحے اس دنیا کو صور اسرافیل کے سپرد کر دیا جائے گا اس دنیا پر قیامت آ جائے گی اسی طرح آم کے درخت کی اللہ نے یہ فطرت میں لکھا ہے کہ اس سے ہمیشہ آم کا پھل ہی اترے گا یعنی آم کا درخت کبھی بھی خلاف فطرت کام نہیں کرے گا بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں دوستی لکھی ہے اور یاد رکھیے! اگر کوئی خلاف فطرت کرے گا یعنی دوستی کی بجائے کسی سے دشمنی مول لے گا تو اس کا تمام گھر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

انسان کے اندر بھی سب سے زیادہ طاقت ور چیز اس کی فطرت ہے آپ اگر فطرت کا اسلوب اختیار کریں تو آپ سرکش ترین انسان کو بھی مسخر کر سکتے ہیں۔

یاد رکھیے! تلخ روی دوستی کی راہ میں دیوار ہے، جو لوگ کھنچے کھنچے رہتے ہیں وہ پسند نہیں کیے جاتے ان کی شخصیت میں سحر اور دلکشی نہیں رہتی مزید یہ کہ جب ہم کھنچے کھنچے رہنے لگیں تو ہمیں کام کرنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے توانائی کی کمی اور کمزوری محسوس ہوتی ہے اور اس طرح شخصیت میں سحر نہ ہونے کے سبب کامیابی ہم سے دور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اگر ہم اپنے اندر سے کشیدگی کو دور کر دیں تو یقیناً آرام محسوس کریں گے اور ہمارا اعتماد

بحال ہوگا اگر ہم اعتماد سے کام لیں گے تو ہم میں اہلیت پیدا ہو جائے گی اعتماد اور اہلیت دونوں ساتھ ساتھ چلا کرتے ہیں اگر ہم اعتماد سے کام لیں تو لوگ ہم پر بھروسہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ہم زیادہ کام سرانجام دینے کی صلاحیت پا لیتے ہیں۔

آپ ﷺ سخت گو اور بدزبان نہ تھے اسی لیے تو کائنات کی ہر چیز آپ ﷺ سے محبت کرتی ہے اور آپ ﷺ کی گرویدہ تھی۔

((عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حِينَ قَدِمَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْكُوفَةِ فَذَكَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا)) [1]

''حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف تشریف لائے تو ہم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا، فرمانے لگے کہ آپ ﷺ نہ تو بدزبان تھے اور نہ ہی بدزبانی کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔''

اس حدیث میں بھی معلوم ہوا تلخ رو انسان معاشرے، سماج اور لوگوں میں اچھا نہیں سمجھا جاتا اور اس کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

عرض:

لہٰذا ہمیں تلخ روی سے اپنے پہلو کو بچانا ہوگا تا کہ لوگ ہمیں پسند کریں۔

انسان کے تلخ رویہ کی دوسری وجہ احساس کمتری ہے جو ان شاء اللہ اگلی فصل میں احساس کمتری پر ہی بحث آ رہی ہے۔

[1] الصحیح البخاری، کتاب الادب: ٦٠٢٩

احساس کمتری سے بچاؤ

احساس کمتری کی چھاپ انسان کی زندگی پر نہایت گہری ہوتی ہے ارد گرد بسنے والوں کا بغور جائزہ لیجیے ان کی گفتگو حرکات وسکنات چلنے پھرنے اور رہن سہن کا انداز صاف طور پر ان کی اس کمزوری کی چغلی کھاتا نظر آئے گا، بات بات پر تکلف کا مظاہرہ کرنا اکڑ کر چلنا نہایت اونچی آواز میں گفتگو کرنا جیسے کہ گدھے کی آواز ہو، بحث میں الجھنا اور مخاطب پر علمیت کا رعب بٹھانے کی کوشش کرنا یعنی کہ کوئی استاد پڑھا اردو رہا ہو اور زیادہ تر انگلش بولے صرف بچوں پر اپنا رعب بٹھانے کیلیے اور اسی طرح کوئی آدمی ان پڑھوں میں بیٹھ کر مشکل الفاظ بولے یہ سب احساس کمتری کی مختلف شکلیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے قرآن میں فرمایا:

﴿وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ۝۱۸ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۠۝۱۹﴾ (لقمان: ۳۱/۱۸، ۱۹)

”اور لوگوں کے لیے اپنا رخسار ٹیڑھا نہ رکھ اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ کسی اکڑنے والے، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی رکھ اور اپنی آواز کچھ نیچی رکھ، بے شک سب آوازوں سے بری یقیناً گدھوں کی آواز ہے۔“

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ جس انسان میں یہ خاصیتیں پائی جاتی ہیں وہ ضرور بالضرور احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے۔

احساس کمتری درحقیقت غلط طرز فکر کا نتیجہ ہے، اس کی بنیاد اکثر بچپن میں پڑتی ہے، بچے کو بات بات پر ڈانٹا جائے اور اس کے ہر کام میں خامی نکالی جائے تو وہ مایوس اور بد دل ہو جاتا ہے، اس کا اپنی ذات پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اسی لیے تو نبی اکرم جناب محمد ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جنھوں نے بچپنا آپ ﷺ کے پاس گزارا کبھی نہیں مارا، مارنا تو دور کی بات آپ ﷺ نے کبھی ڈانٹا بھی نہیں تھا۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ وَاللَّهِ مَا قَالَ لِي أُفًّا قَطُّ وَلَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ لِمَ فَعَلْتَ كَذَا وَهَلَّا فَعَلْتَ كَذَا زَادَ أَبُو الرَّبِيعِ لَيْسَ مِمَّا يَصْنَعُهُ الْخَادِمُ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَهُ وَاللَّهِ)) [1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کا شرف حاصل ہوا اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے مجھے کبھی بھی اف تک نہیں فرمایا اور نہ ہی کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا۔ حضرت ابوالربیع رحمہ اللہ نے یہ الفاظ زائد کہے ہیں کہ جو کام خادم کو کرنا چاہیے اور وَاللَّهِ کا لفظ ذکر نہیں کیا۔''

اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ نبی پاک ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے بچوں کو نہ ڈانٹیں اس میں ہمارے بچوں کا ہی فائدہ ہے کہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں گے۔

اسی طرح عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد انسان ناموافق حالات میں جکڑا جائے اور اسے شکست اور محرومی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو تو تب بھی اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔ زندگی واقعی کٹھن ہے، مگر ہم اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلا سکتے کہ اگر انسان تمام دشواریاں اور رکاوٹوں کے باوجود اپنی شکست نہ مانے اور مسلسل جدوجہد کرتا رہے تو کامیابی بالآخر اس کے قدم چومتی ہے عارضی ناکامی اور شکست سے دل برداشتہ ہو کر ہمت نہیں ہارنی چاہیے مایوسی

[1] الصحيح المسلم، كتاب الفضائل : ٦٠١١

اور بد دلی حقیقتاً شکست اور ناکامی کے لیے راہ ہموار کرتی ہے اس سے ہمیشہ دامن بچانا ضروری ہے اس کی مناسب ترین صورت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ مثبت طرز فکر اپنانے کی کوشش کرے اپنی ذات پر اعتماد کرے اور آدمی ہمیشہ فتح کے بارے میں سوچتا رہے تو حقیقت ہے کہ اس طرح سوچنے والا بالآخر فتح سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کو اپنے خیالات اور ذات میں کبھی دوسروں کی نسبت کچھ فرق محسوس ہو تو اس کی وجہ یہ ہرگز نہ سمجھ لیجیے کہ ہم اس کے مقابلے میں کسی لحاظ سے کمتر ہیں یا ان جیسی لیاقت و ذہانت نہیں رکھتے ہاں اگر ایسے خیالات آپ کے ذہن میں پیدا ہونے لگیں تو انھیں فوراً جھٹک دیں۔

یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ کو اپنی ذات کی صحیح قدرو قیمت اور اہمیت کا احساس ہو جائے تو پھر آپ ان کے مقابلے میں ڈٹ جائیں اور آخر کار سرخرو ہو جائیں۔ انشاءاللہ

نوٹ:

اگر آپ نے احساس کمتری پر قابو پالیا اور اسے اپنے اندر سے نکال پھینکا تو آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو جائے گی۔

خود کو مشورہ دینا

جب آپ یہ فن سیکھ جائیں گے تو آپ کبھی بھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہو سکیں گے، مشورہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن پاک میں ایک پوری سورت ہی شوریٰ (آپس میں مشورہ) ہی اتار دی۔

مشورہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

کسی دوسرے سے مشورہ کرنا:

آپ کا کسی دوسرے سے مشورہ کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ۪ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ (الشوریٰ : ٤٢/٣٨)

”اور وہ لوگ جنھوں نے حکم مانا اپنے رب کا اور انھوں نے قائم کی نماز اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے اور اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾

(آل عمران : ٣/١٥٩)

”سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر۔“

ان دونوں آیات سے مشورہ کی اہمیت ہم پر بالکل دن کے اجالے کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔

نقصان اٹھانے کے بعد مشورہ لینا ایسا ہے جیسے مرنے کے بعد ڈاکٹر اور دوا۔
اور یہ بھی یاد رکھیے! کہ ہر آدمی مشورہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر آپ کسی کام کے بارے میں مشورہ لینا چاہتے ہوں تو اس آدمی سے لیں جو اس کام سے تعلق رکھتا ہو وہ آپ کو درست مشورہ دے گا بانسبت اس سے جو اس کام کو جانتا ہی نہیں۔

اپنے آپ سے مشورہ کرنا:

اپنے آپ سے مشورہ کرنا بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ ہی اصل ہے کیوں کہ دوسروں سے مشورہ کرنے کے بعد بھی آدمی کو اپنے آپ سے مشورہ کرنا چاہیے کہ ان تمام لوگوں میں سے کسی کی بات درست ہے پھر اس پر عمل کرئے، مشورہ لینا بری بات نہیں مگر اس مشورے پر بلا غور و فکر عمل کرنا بری بات ہے۔
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

(الروم : ۸/۳۰)

''اور کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اسے پیدا نہیں کیا مگر حق اور ایک مقرر وقت کے ساتھ اور بے شک بہت سے لوگ یقیناً اپنے رب سے ملنے ہی کے منکر ہیں۔''

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اپنے وجود پر غور کرے اور دیکھے کہ ہاتھ ہیں، ہاتھوں میں کئی انگلیاں ہیں اور انگلیوں میں پھر گرفت کرنے کی طاقت ہے دو آنکھیں ہیں جن میں کمال کے لینز ہیں جو زمین سے ہی ہزاروں میل کی مسافت پر آسمان کو دیکھ لیتی ہیں، دو کان ہیں جو مختلف آوازوں کو سنتے ہیں اور دو ٹانگیں ہیں جن پر انسان کھڑا ہوتا ہے چلتا ہے ان سب کو کون بنانے والا ہے؟ اپنے نفس سے مشورہ کریں بار بار مشورہ کریں تو یقیناً وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ کوئی تو ہے اس وجود کو بنانے والا

اپنے آپ کو مشورہ دینے کا ہی دوسرا نام غور و فکر ہے۔

آپ جس کام کے بارے میں دوسروں سے مشورہ کریں گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کا وہ کام صحیح طریقے سے ہو جائے گا مثلاً آپ نے کوئی گھر بنانا ہے تو جب آپ انجینئر سے مشورہ لیتے ہیں تو آپ کے گھر کی عمارت کی پائیداری اور خوبصورتی کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو مشورہ دینے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی میں اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔

اور اعتماد ہی وہ واحد چیز ہے جو انسان کے اندر ہر کام کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں نوجوانوں کے مسائل پر تقریر کرنی ہے اور ہمیں اپنے موضوع اور مضمون پر پوری گرفت بھی حاصل ہے اور ہم اچھی طرح لکھ بھی چکے ہیں لیکن خود اعتمادی کا فقدان ہمیں نوجوانوں کے مجمع کا سامنا کرنے سے روک دیتا ہے اس گھبراہٹ کا مقابلہ ہم خود کو قائل کر کے کر سکتے ہیں "مجھے اپنی ذات پر پورا اعتماد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تقریر کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں میں بہت بہتر تقریر کر سکتا ہوں مجھے تقریر کے فن سے محبت ہے یہ بہت آسان کام ہے بار بار اپنے آپ سے یہ کہنا ہمارا ڈر اور خوف ختم کر دے گا اور ہم خود کو تقریر کے دن نوجوانوں کے سامنے مسکراتے ہوئے کھڑا پائیں گے۔"

میں کامیاب ہو جاؤں گا یہ کیفیت جب ہم اپنی سوچ میں طاری کریں گے تو ان شاء اللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

مشہور عالم ڈسرائیلی کا کہنا ہے:

"اپنے ذہن میں بلند خیالات کی پرورش کریں" اگر آپ بلند خیالات میں یقین رکھتے ہیں تو یقین کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے ناممکن کو ممکن بنا دے گا لیکن اس سے پہلے آپ کو خود اپنا سہارا بننا ہوگا۔

اور یاد رکھیے!

کوئی بھی اس وقت تک اپنی مدد آپ نہیں کر سکا ہے جب تک وہ اپنے آپ میں یقین نہیں رکھتا اور اپنے آپ پر اعتماد نہیں کرتا ہم زندگی میں کچھ زیادہ حاصل نہیں کر سکتے اگر ہم میں خود

اعتمادی کا فقدان ہے اپنے ذہن اور اپنی سوچ کی درست تربیت کریں۔خود کو مناسب مشورہ دینا درحقیقت ہمارے اندازوں سے کہیں زیادہ ہماری ذات میں اعتماد کا عنصر پیدا کرتا ہے۔

لوگوں کو اس بات کا ادراک نہیں ہے کہ وہ خود کو صحیح مشورے دینے سے کتنے گہرے اور دیر پا فوائد حاصل کر سکتے ہیں، یہ یقین کیجیے کہ ہر کوئی خود کو مشورہ دینے کے فن پہ یقین رکھ کر اپنے تمام تر خوف سے چھٹکارا پا سکتا ہے اور اپنی ذات میں اعتماد پیدا کر کے اپنی شخصیت کو نکھار سکتا ہے یقین کیجیے آپ کا یہ عمل رائیگاں نہیں جائے گا۔

یقین میں کتنی طاقت کتنا جادو پوشیدہ ہے اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

امام خانہ کعبہ فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن سدیس ﷾ کے بچپن کا ایک یادگار واقعہ یوں ہے کہ آپ کے گھر میں مہمان آئے ہوئے تھے آپ کی والدہ نے مہمانوں کے لیے طرح طرح کے کھانے بنائے اور جب ان تمام کھانوں کو مہمانوں کے سامنے دسترخوان پر رکھ دیا عبدالرحمن سدیس ﷾ نے باہر سے مٹی مٹھی میں لی او دسترخوان پر لگے ہوئے کھانوں پر پھینک دی لیکن آپ کی والدہ نے آپ کو نہ تو مارا اور نہ ہی ڈانٹا بلکہ ایک سوچ اور مشورہ دے دیا کہ اللہ تجھ کو خانہ کعبہ کا امام بنائے عبدالرحمن السدیس ﷾ نے اپنی والدہ کا کہا اپنی ذات میں پیوست کر لیا اور خود مشاوراتی عمل کے بار بار دہرانے سے اپنی شخصیت کو عظیم بنا لیا۔

کیا یہ مثال تمام والدین کے لیے مشعل راہ کی حیثیت نہیں رکھتی؟ کہ ان کی کہی ہوئی باتیں کس طرح بچوں کے شعور میں نقش ہو جاتی ہیں اور پھر مستقبل میں ان کے رویئے سے ظاہر ہوتی ہیں والدین اگر محض اس بات کا باغور مطالعہ کریں کہ مثبت اور منفی دونوں طرح کی آراء ان کے بچوں کے مستقبل پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو آنے والے کل میں ہمارا معاشرہ عظیم لوگوں سے خالی نہ ہو سکے گا لہٰذا ہماری اختیار کردہ مثبت سوچ ہی ہمارے اور ہمارے بچوں کے کام آئے گی۔

گھبراہٹ و بے چینی کا شکار ایک شخص اپنے آپ کو منفی دلائل دے گا، ہم نہیں کر سکتے کی بجائے ہم کر سکتے ہیں کی سوچ پیدا کرنی چاہیے "نہیں" کا صیغہ منفی نتائج سے دوچار کر دے گا

جب کے "ہاں" ہمیں مثبت نتائج دے گا ہم نئے خیالات کی پرورش ایک ہی رات میں نہیں کر سکتے نہ ہی مثبت سوچ ایک دن میں پیدا ہو گی اس کے لیے مستقل کوشش اور جدو جہد کی ضرورت ہے اس یقین کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے سوچنے کا انداز بدل کر صحت اور خوشی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

مثبت سوچ کے لیے اچھے لوگوں میں بیٹھنا ضروری ہے، اچھی محفل میں جانا ضروری ہے، آپ نے تجربہ کیا ہے کہ جو والدین بری عادات کے مالک ہوں ان کی اولاد بھی بری ہوتی ہے شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ والدین منفی سوچ رکھنے والے ہوں اور اولاد مثبت سوچ رکھنے والی ہو۔

اگر ہم مثبت سوچ اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں مثبت سوچ رکھنے والے لوگوں کی سوسائٹی میں رہنا ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ﴾ (التوبة : ۹/۱۱۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

دوسری دلیل:

((عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِی الصِّدِّيقِ عَنْ أَبِی سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا فَسَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ فَدُلَّ عَلَى رَاهِبٍ فَأَتَاهُ فَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ لَا فَقَتَلَهُ فَكَمَّلَ بِهِ مِائَةً ثُمَّ سَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الْأَرْضِ فَدُلَّ عَلَى رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ انْطَلِقْ إِلَى أَرْضِ كَذَا وَكَذَا فَإِنَّ بِهَا أُنَاسًا يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَاعْبُدْ اللَّهَ مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ إِلَى أَرْضِكَ فَإِنَّهَا أَرْضُ

سَوْءٍ فَانْطَلَقَ حَتَّى إِذَا نَصَفَ الطَّرِيقَ أَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهِ إِلَى اللَّهِ وَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَأَتَاهُمْ مَلَكٌ فِي صُورَةِ آدَمِيٍّ فَجَعَلُوهُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ قِيسُوا مَا بَيْنَ الْأَرْضَيْنِ فَإِلَى أَيَّتِهِمَا كَانَ أَدْنَى فَهُوَ لَهُ فَقَاسُوهُ فَوَجَدُوهُ أَدْنَى إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي أَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ))[1]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی نے ننانوے جانوں کو قتل کیا پھر اس نے اہل زمین میں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا پس اس کی ایک راہب کی طرف راہنمائی کی گئی وہ اس کے پاس آیا تو کہنے لگا اس نے ننانوے جانوں کو قتل کیا ہے کیا اس کے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے اس نے کہا نہیں پس اس نے اس راہب کو قتل کر کے سو پورے کر دیئے پھر زمین والوں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو ایک عالم کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی اس نے کہا میں نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے، میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ تو اس نے کہا جی ہاں، اس کے اور توبہ کے درمیان کیا چیز رکاوٹ بن سکتی ہے، تم اس جگہ کی طرف جاؤ وہاں پر موجود کچھ لوگ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں تو بھی ان کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہو جا اور اپنے علاقے کی طرف لوٹ کر نہ آنا کیونکہ وہ بری جگہ ہے پس وہ چل دیا یہاں تک کہ جب آدھے راستے پر پہنچا تو اس کی موت واقع ہوگئی پس اس کے بارے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جھگڑ پڑے رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل کو اللہ کی طرف متوجہ

[1] الصحيح المسلم، كتاب التوبة : ٧٠٠٨

کرتا ہوا آیا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا پس پھر ان کے پاس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا اسے انہوں نے اپنے درمیان ثالث (فیصلہ کرنے والا) مقرر کر لیا تو اس نے کہا دونوں زمینوں کی پیمائش کر لو پس وہ دونوں میں سے جس زمین سے زیادہ قریب ہو وہی اس کا حکم ہوگا پس انہوں نے زمین کو ناپا تو اسی زمین کو کم پایا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا پس پھر رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مثبت سوچ کے لیے نیک لوگوں میں رہنا ہوگا۔

نوٹ:

اپنے آپ کو خود مثبت مشورہ دینے کا فن سیکھیے اس سے آپ کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو گی اور جب خود اعتمادی آئے گی تو انشاء اللہ ہر دشوار امر آسان ہو جائے گا۔

زندگی کو قیمتی جانیے

زندگی کے ہر لمحے کی قدر کیجیے اسے خوش رہ کر اور حقیقت پسندی کے ساتھ بسر کرنا چاہیے کیونکہ وقت ایک ایسا سرمایہ ہے جو ہاتھ سے نکلنے کے بعد کبھی واپس نہیں آتا، جو وقت کی قدر نہیں کرتے وقت ان کی قدر نہیں کرتا، زندگی (وقت) کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ بھی قدر و قیمت کے لحاظ سے بہت بڑے بڑے فوائد کامیابیوں کے برابر ہوسکتا ہے شرط صرف یہ ہے کہ زندگی کو استعمال صحیح کیا جائے۔ مثلاً

- اگر ہم ایک سال کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو اس طالب علم کا تصور کریں جس کا سالانہ امتحان میں ناکامی کی وجہ سے ایک قیمتی سال ضائع ہو گیا ہو۔
- اگر آپ ایک ماہ کی قدر کا اندازہ لگانا چاہتے تو اس ماں کے بارے میں سوچیں جو اپنے بچے کو نو ماہ پیٹ میں نہیں رکھ سکی اور کسی وجہ سے اسے قبل از وقت زچگی کے عمل سے گزرنا پڑا ہو۔
- اگر ایک ہفتہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو کسی ہفتہ وار میگزین (مجلہ) کے ایڈیٹر کی مصروفیات کو دیکھیں۔
- اگر آپ ایک دن کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو کسی مزدور کو ذہن میں لائیں جس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھوکے ہیں مگر اسے کام نہیں ملا۔
- اگر آپ ایک گھنٹے کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو کسی محبت کرنے والے جوڑے سے پوچھیں۔
- اگر آپ ایک منٹ کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو اس شخص سے ملیں جس کی ٹرین

چھوٹ گئی ہو۔

- اگر آپ ایک سیکنڈ کی قدر کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو اس خوش نصیب کو مبارک باد دیں جو کسی ایکسڈنٹ سے بال بال بچا ہو۔
- اگر آپ ایک سیکنڈ کے سوویں (۱۰۰) حصہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو اس اولمپین ایتھلیٹ سے پوچھیں جو گولڈ میڈل سے صرف اتنا فرق کی وجہ سے محروم ہو گیا۔

زندگی کے مالک ہم نہیں ہیں زندگی کا مالک صرف اللہ ہے اور اس نے ہمیں زندگی صرف امانتاً دی ہے اس لیے ہم کو اس امانت کی قدر کرنی چاہیے اور اسے کبھی بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا۝ ﴾

(الفرقان: ۲۵/۳)

"اور انھوں نے اس کے سوا کئی اور معبود بنا لیے، جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور اپنے لیے نہ کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ کسی موت کے مالک ہیں اور نہ زندگی کے اور نہ اٹھائے جانے کے۔"

ایک اور دلیل ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴾ (الملك، ۶۷/۲)

"وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہی سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔"

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ زندگی اور موت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب زندگی آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے تو پھر زندگی کو بسر بھی ویسے کریں جیسا وہ چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو موت کی آغوش میں جانا ہے کسی کو پہلے اور کسی کو

بعد میں۔

ایک قبر پر لکھا تھا:

منزل تو میری یہ ہی تھی
بس زندگی گزر گئی یہاں تک آتے آتے

یقیناً ہم میں سے ہر ایک کو موت آ کر ہی رہے گی۔ دلیل یہ آیت ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ﴾

(آل عمران : ۳/۱۸۵)

''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے۔''

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کوئی بھی منہ نہیں موڑ سکتا۔ بے شک اپنے پیاروں کی جدائی کا بہت غم ہوتا ہے لیکن مرضی معبود کے آگے سر تسلیم خم رہنا چاہیے۔

جو زندگی اس نے ہمیں عطا کی ہے اس کو قیمتی جانتے ہوئے اس سے پیار کریں اس کو علم کی روشنی سے منور کریں حسن اخلاقی سے سنواریں وقار صبر و تحمل سے استقامت پیدا کریں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں تا کہ خود بھی خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھ سکیں آزمائشوں اور دشواریوں رنج و غم اور ناکامیوں، محرومیوں اور مایوسیوں کے تاریک لمحات میں بھی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں اور جواں مردی اور حوصلے کے ساتھ منزل کی طرف بڑھیں جس کے لیے یہ زندگی عطا ہوئی ہے، وہ منزل ہے خدمت کی، محبت کی، سلوک کی ہمدردی کی اور ان اصولوں پر کاربند رہنے کی، جس سے انسانیت کی عظمت برقرار رہتی ہے اور جس سے وہ زندگی بھی سنورتی ہے جسے ہم حیات بعد الموت کہتے ہیں۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾ (الذاریات : ۵۱/۵۶)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی اپنے بندے سے راضی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے دلوں میں اپنے اس بندے کی محبت ڈال دیتا ہے کیونکہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور احسن طریقے سے تمام لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے اس لیے زندگی کے ہر لمحے کو قیمتی جانتے ہوئے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو راضی کریں۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرْ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ)) [1]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا ''دنیا میں اس طرح ہو جا جیسے تو مسافر یا راستہ چلنے والا ہو'' سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو اپنی صحت کو مرض سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔

آپ کی زندگی اس باغ کی طرح ہو جس پر پودا اور پھول سوچ سمجھ کر اور باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگایا اور پروان چڑھایا جاتا ہے۔

[1] الصحيح البخاري، كتاب الرقاق : ٦٤١٦

یعنی اس باغ سے مراد دین اسلام ہے۔

آپ اس کو ایک مثال کے ساتھ سمجھیے۔

پروفیسر صاحب نے کلاس کا آغاز ایک دلچسپ سوال سے کیا اور پوچھا ایک باغ اور جنگل میں کیا فرق ہے؟

طلباء نے مختلف جوابات دیے مثلاً

باغ باقاعدہ منصوبہ بندی سے تیار ہوتا ہے جبکہ جنگل نہیں،

باغ میں مالک یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کیا چاہیے اور اس کے لیے اسے باغ میں کیا اگانا چاہیے اور کیا نہیں، وہ اپنی پسند کے بیج بوتا ہے اور اپنی مرضی کی فصل حاصل کرتا ہے جبکہ جنگل میں جڑی بوٹیاں اور پودے خودبخود اگتے ہیں یا ان بیجوں سے جو گزرتے ہوئے لوگ پھینکتے ہیں۔

مالک اپنے باغ کی آبیاری کی فکر کرتا ہے اور اسے بیماریوں اور موسمی حالات سے بچانے کے لیے اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن جنگل کے لیے پریشان ہونے والا اور اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

باغ میں خودرو پودوں اور غیر مطلوبہ جڑی بوٹیوں کا صفایا کر دیا جاتا ہے باغ کا مالک مضر اور بے کار پودوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے جبکہ جنگل میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

پروفیسر صاحب نے یہ جوابات سن کر اثبات میں سر ہلایا اور پوچھا اب آپ بتایے کہ آپ زندگی کو کیسا دیکھنا پسند کرتے ہیں آپ کے خیال میں آپ کی زندگی جنگل کی مانند ہونی چاہیے یا باغ کی مانند؟

زندگی کو قیمتی جانتے ہوئے جنگل کی طرح مت بناو یعنی کہ جس طرح جنگل میں خاردار جھاڑیاں اور جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں اپنی زندگی کو بھی دکھوں تکلیفوں اور مشکلوں کے کانٹوں سے مت بھرو بلکہ زندگی کو ایک باغ کی مانند بناؤ یعنی جس طرح باغ طرح طرح کے پھولوں اور

پھلوں سے مزین ہوتا ہے اسی طرح اپنی زندگی کو مختلف خوبیوں کے ساتھ مزین کر کے خوشی والی زندگی بسر کرو۔

کیونکہ زندگی تمھیں وہی کچھ واپس کرے گی جو تم نے سے دیا ہو۔ اس کو ایک مثال کے ساتھ سمجھیے، باپ بیٹا پہاڑوں میں گھوم رہے تھے اچانک لڑکا پھسلا اور گر گیا اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور دوسرے ہی لمحے پہاڑوں میں سے وہی آواز پھر سنائی دی ''آہ''

لڑکا حیران رہ گیا تجسس کے مارے وہ بولا تم کون ہو؟

اور اسے جواب ملا تم کون ہو؟

اس جواب نے لڑکے کو ناراض کر دیا اور وہ زور سے بولا بزدل

اور اسے جواب ملا بزدل

اب لڑکا تھوڑا مزید سپٹایا اور اس نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ باپ مسکرایا اور بولا ذرا توجہ سے سنو میرے بیٹے اور پہاڑی کی طرف منہ کر کے بولا تم بہت اچھے ہو تو پہاڑ سے آواز آئی تم بہت اچھے ہو۔

باپ دوبارہ چلایا تم ایک فاتح اور کامیاب انسان ہو۔

تو پہاڑ سے آواز آئی تم ایک فاتح اور کامیاب انسان ہو۔

باپ بولا میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔

آواز آئی میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔

لڑکا اپنی حیرانی کے باوجود کچھ سمجھ نہ سکا اور استفہامیہ نگاہوں سے باپ کو دیکھنے لگا باپ نے وضاحت کی لوگ اسے بازگشت (Echo) کہتے ہیں لیکن دراصل یہ زندگی ہے یہ تمھارا ہر لفظ ہر کام اسی طرح واپس کرتی ہے جسے تم ادا کرتے ہو ہماری زندگی درحقیقت ہمارے کاموں کا عکس ہی تو ہے اگر تم زندگی میں پیار چاہتے ہو یا دنیا میں محبت دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے دل میں

محبت پیدا کرلو، اگر تم اپنی ٹیم میں اعلیٰ درجہ کی مہارت دیکھنا چاہتے ہو تو خود میں وہ مہارت پیدا کرلو تم میں اور دنیا میں یہ رشتہ علت اور معلوم (Cause and Effect) کا رشتہ ہے اور اسی کا اثر زندگی کے ہر پہلو پر یکساں ہے۔

''اس لیے زندگی تمہیں وہی سب کچھ واپس کرے گی جو تم نے اسے دیا ہے۔''

2
ملاقات کے اسلوب

- سلام کرنا
- دلچسپ گفتگو کرنا
- ملنے والے کا لحاظ کرنا
- مسکرانا
- فوری غصہ مت کریں
- نام یاد رکھیے

سلام کرنا

دین اسلام میں سلام کرنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، کیوں کہ سلام پیار اور محبت پھیلانے کا ذریعہ ہے جب بھی آپ کسی کے گھر جائیں یا کسی سے ملنے کے لیے جائیں تو پہلے آپ سلام بلائیں یا پھر آپ سے کوئی ملنے آتا ہے تو پہلے وہ سلام بلائے پھر آپ اس کے سلام کا احسن جواب دیں یا پھر اتنا ہی سلام کا جواب دے دیں۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴾ (النساء : ٤/٨٦)

’’اور جب تمھیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی سلامتی کی دعا دو، یا جواب میں وہی کہہ دو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کا پورا حساب کرنے والا ہے۔‘‘

ایک اور دلیل:

﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

(النور : ٢٤/٦١)

’’پھر جب تم کسی طرح کے گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو، زندہ سلامت رہنے کی دعا جو اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی بابرکت، پاکیزہ ہے۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ جاؤ۔‘‘

اس آیت سے دو تین باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ سلام ہی پاکیزہ بابرکت دعائے خیر کا کلمہ ہے اور دوسری یہ کہ مہمان سلام کرے میزبان کو۔

رسول اللہ نے سلام کرنے کے کچھ آداب سکھلائے ہیں۔

- تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے۔
- سوار پیدل کو سلام کرے۔
- چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے۔
- کم عمر والا پہلے سلام کرے زیادہ عمر والے کو۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ))[1]

"سیدنا عبد الرحمن بن زید سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ سوار پیدل چلنے والے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم (تعداد) زیادہ (تعداد) کو سلام کرے۔"

یاد رکھیے!

جب بھی آپ کسی سے ملیں تو سب سے پہلے آپ اس کو سلام بلائیں۔ ہاں اگر آپ فون پر بھی کسی سے بات کرنے لگے تو پہلے سلام کہیں بجائے ہیلو ہائے کے یا آپ کسی سے رخصت ہونے لگیں تو تب بھی سلام بلائیں بجائے ہائے ہائے یا ٹا ٹا کرنے کے کیوں کہ سلام ایک بابرکت پاکیزہ کلمہ ہے اور محبت پھیلانے کا بہترین نسخہ ہے۔

اور اگر آپ چاہتے ہیں کسی سے محبت کی پینگیں جھولیں تو پھر اس محبت کی پینگ میں مہاریں سلام کی ڈال لو کیوں کہ سلام ہی وہ واحد چیز ہے جو آپس میں محبت پھیلا سکتا ہے۔

[1] صحیح البخاری، کتاب الاستیذان، ٦٢٣٣

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ)) ❶

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان نہیں لاؤ گے اور پورے مومن نہیں بنو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہیں کرو گے کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جب تم اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ گے وہ یہ ہے کہ آپس میں ہر ایک آدمی کو سلام کیا کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کے لیے ایمان ضروری ہے اور ایمان کے لیے آپس میں محبت ضروری ہے محبت کے لیے آپس میں سلام کو عام کرنا ضروری ہے۔

نوٹ:

جب بھی آپ کسی سے ملنے جائیں تو پہلے سلام بلائیں کیوں کہ اس عمل سے محبت پیدا ہوتی ہے جب آپ کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گی تو آپ کی شخصیت اس کے لیے پسندیدہ بن جائے گی۔

❶ الصحيح المسلم، كتاب الايمان : ١٩٤

مسکرانا

کامیابی اور کامرانی کے لیے مسکرانا ایک ضروری اور دلکش عمل ہے اپنے حلقہ احباب میں ذرا کسی کے بارے میں غور کیجیے اور یاد کیجیے کہ مسکراہٹ کی بدولت اس شخص کا چہرا کتنا بشاش اور پرکشش نظر آتا ہے لوگ جب مسکراتے ہیں تو اپنی اصل عمر سے کچھ کم نظر آنے لگتے ہیں اس بات کو آپ خود ہی آزما کر دیکھ لیجیے تو بہتر ہوگا۔

آج تک کوئی شخص ہنستے ہنستے فوت نہیں ہوا۔

اس لیے اگر آپ کسی کمپنی کے آفیسر ہیں تو جب آپ دفتر آئیں تازہ اور خوش باش چہرے سے آئیں، آپ باپ ہیں تو بچے سے ہنستے ہوئے بات کریں، آپ استاد ہیں اور اپنی کلاس کے کمرے میں جائیں تو کھلے کھلے چہرے کے ساتھ طلباء کے سامنے آئیں اور اگر آپ کسی فیکٹری کے مالک ہیں تو ملازمین سے ہنستے ہوئے گفتگو کریں یا آپ کسی محفل میں بیٹھے ہیں کوئی آدمی آتا ہے اور بلند آواز سے سلام کہتا ہے اور حاضرین محفل پر طائرانہ نظر ڈالتا ہے تو مسکرائیں۔

اور اگر آپ کو کوئی ملنے آیا ہے تو اس کو مسکراتے ہوئے اهلاً وسهلاً کہو۔

مسکراہٹ کی وجہ سے آپ کا سکون اور اطمینان بھی بڑھ جاتا ہے مسکراہٹ انسان کے اعضاء کے لیے بھی مفید ہے اور اس کو مضبوط بناتی ہے مسکراہٹ ہی وہ واحد چیز ہے جو غصے کو دور کرنے شک کے جذبات اور تذبذب کی کیفیت کو دور کرتی ہے۔

مسکراہٹ، فرحت اور طاقت دینے والی بلا قیمت دوا ہے جب بھی ممکن ہو مسکرائیں کیوں کہ بہادر وہ ہے جو اپنے جذبات پر حاوی ہو اور مشکل ترین حالات میں بھی مسکرانا نہ چھوڑے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ رِدَاءٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَهُ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيدَةً نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عُنُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ أَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي عِنْدَكَ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ)) [1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ ﷺ پر موٹے کناروں والی نجرانی چادر تھی آپ ﷺ کو ایک دیہاتی ملا اس نے آپ ﷺ کو آپ کی ہی چادر کے ساتھ بہت شدت و سختی کے ساتھ کھینچا جس سے رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کی کناری کا نشان پڑ گیا اور یہ کناری کا نشان اس کے سختی کے ساتھ کھینچے جانے کی وجہ سے پڑا، پھر اس نے کہا: ''اے محمد ﷺ! اللہ کے مال میں سے جو تیرے پاس ہے میرے لئے حکم کرو۔'' آپ ﷺ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے پھر اسے کچھ دینے کا حکم فرمایا۔''

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ بہادر تھے اس وجہ سے تو اس طرح کا برتاؤ بھی آپ ﷺ کے دامن سے صبر کو نہ کھینچ سکا۔

چلو مان لیتے ہیں اگر نبی اکرم ﷺ بدو کے سخت رویئے پر غصہ کرتے تو کیا آپ ﷺ کی گردن پر جو نشان تھا وہ ٹھیک ہو جاتا یا پھر وہ بدو اپنے رویئے کو سلجھا لیتا ہرگز نہیں یقیناً ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر یہ تسلیم کرلیں کہ ایسے حالات سے نپٹنے کے لیے حلم حسن خلق عفوودرگزر تحمل اور غیر مہذب لوگوں کے اکھڑ سلوک سے صرف نظر سے بڑھ کر کوئی اور فن کارگر

[1] الصحيح البخاري، كتاب فرض الخمس: ۳۱۴۹

نہ ہوگا۔

اور یاد رکھیے! حلم عفو و درگزر حسن خلق صبر و تحمل اور بدتمیز لوگوں کے سلوک سے صرفِ نظر یہ تمام چیزیں صرف مسکراہٹ ہی سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔

مسکرانے کی کئی قسمیں ہیں:

غلطی پر مسکرانا:

مسکرانے کی ایک قسم ہے کسی دوسرے کی غلطی پر مسکرانا اس طرح کا مسکرانا جائز نہیں ہے جس سے کسی دوسرے کا دل دکھے کیونکہ حقیقی مسکراہٹ وہ ہوتی ہے جس سے کسی دوسرے کو خوشی نصیب ہو۔

اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (الحجرات : ٤٩/١١)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کوئی قوم کسی قوم سے مذاق نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ کوئی عورتیں دوسری عورتوں سے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ اپنے لوگوں پر عیب لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں کے ساتھ پکارو، ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے اور جس نے توبہ نہ کی سو وہی اصل ظالم ہیں۔“

ہم کو چاہیے کہ ہم کسی کو حقیر جانتے ہوئے اس پر نہ ہنسیں شاید وہ ہم سے بہتر ہو مثلاً کلاس روم میں آپ کا کوئی دوست ہے وہ (Presentation) دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے لیکن استاد کے کہنے پر (speach) کے لیے آ جاتا ہے تو تقریر کے درمیان کوئی غلطی کرتا ہے تو آپ اس پر نہ مسکرائیں۔

یاد رکھیے! اگر آپ اس پر مسکرا پڑے تو اس کو مختلف پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا پہلی پریشانی یہ کہ اس کا دل دکھے گا۔

دوسری یہ کہ وہ مزید اپنی صلاحیت کھو بیٹھے گا اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائے گا کہ میں کبھی یہ کام کر ہی نہیں سکتا اور اس سے اس کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا۔

اور جو کسی دوسرے کی غلطی پر ہنستا ہے اور وہ یاد رکھیے کہ کبھی اس پر بھی مسکرایا جائے گا اور جب اس پر کوئی مسکرائے گا تو وہ برا مانے گا۔

کسی کو ملنے کے وقت مسکرانا:

مسکرانے کی دوسری قسم ہے کسی کو ملنے کے وقت مسکرانا جب بھی آپ کسی کو مسکرا کر ملیں گے تو وہ سمجھے گا کہ اس کو میرے آنے کی خوشی ہوئی ہے اس طرح اس کے دل میں آپ کی محبت بیٹھ جائے گی اور آپ کی شخصیت اس کے لیے پسندیدہ بن جائے گی اور دوبارہ کبھی بھی وہ آپ سے ملنے میں کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ جَرِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي))[1]

''حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا تب سے رسالت مآب ﷺ نے مجھ سے کوئی حجاب نہیں رکھا اور مجھے دیکھ کر مسکراتے تھے میں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا تو آپ ﷺ نے دست مبارک میرے سینہ پر تھپ تھپا کر فرمایا کہ اے اللہ! اس کو جما دے اور اس کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔''

[1] الصحیح البخاري، کتاب الجهاد: ۳۰۳۵

مسکرا کے شاباش دینا:

مسکرانے کی تیسری قسم ہے کسی کو مسکرا کے شاباش دینا۔

اگر آپ کا کوئی ساتھی یا آپ ہے تو آپ کا بیٹا، آفیسر ہیں تو آپ کا ملازم، استاد ہیں تو آپ کا شاگرد، یا پھر آپ کیپٹن ہیں تو آپ کا کوئی سپاہی، اعلیٰ کام سرانجام دیتا ہے تو اس کو مسکرا کر داد دیں اس سے اس کا اور حوصلہ بڑھے گا اور وہ ضرور کام کو بہتر کرے گا۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ إِلَى نِسَائِهِ فَقُلْنَ مَا مَعَنَا إِلَّا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضُمُّ أَوْ يُضِيفُ هَذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَا فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ أَكْرِمِي ضَيْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مَا عِنْدَنَا إِلَّا قُوتُ صِبْيَانِي فَقَالَ هَيِّئِي طَعَامَكِ وَأَصْبِحِي سِرَاجَكِ وَنَوِّمِي صِبْيَانَكِ إِذَا أَرَادُوا عَشَاءً فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا وَأَصْبَحَتْ سِرَاجَهَا وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ فَجَعَلَا يُرِيَانِهِ أَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ فَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِكَ اللَّهُ اللَّيْلَةَ أَوْ عَجِبَ مِنْ فَعَالِكُمَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ))[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں فاقہ سے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] الصحیح البخاری: کتاب التفسیر: ۴۸۸۹

انھیں اپنی ازواج کے پاس بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کون ہے جو اس مہمان کو اپنے ساتھ لے جائے، یا یہ فرمایا کہ کون ہے جو اس کی میزبانی کرے۔ ایک انصاری نے عرض کیا کہ میں اے اللہ کے رسول! پس وہ اسے اپنی زوجہ کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خوب خاطر کرنا اس نے کہا ہمارے ہاں تو صرف بچوں کا کھانا ہے تو انصاری نے کہا تم کھانا تو تیار کرو اور چراغ روشن کرد بچے اگر کھانا مانگیں تو انہیں سلا دینا اس صحابیہ نے کھانا تیار کر کے چراغ روشن کیا اور بچوں کو سلا دیا پھر وہ گویا چراغ کو ٹھیک کرنے کے لئے کھڑی ہوئی۔ مگر اسے بجھا دیا۔ اب وہ دونوں میاں بیوی مہمان کو یہ دکھاتے رہے کہ کھانا کھا رہے ہیں حالانکہ (درحقیقت) انہوں نے بھوکے رہ کر رات گزار دی جب وہ انصاری صبح کو آپ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رات تمہارے کام (پر مسکرا کر داد دی ہے) سے بڑا خوش ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود حاجت مند ہوں اور جو اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔''

دیکھیے کس طرح صحابی رسول نے اپنی حاجت پر دوسرے کی حاجت کو ترجیح دی یعنی کھانے کی حاجت خود اور بیوی بچوں کو بھی تھی لیکن اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی بھوک کو آنے والے مہمان کی بھوک پر قربان کر دیا اللہ تعالیٰ کو صحابی رسول کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسکرا کر [1] صحابی رسول کو اس کام کی داد دی۔

کسی کو اس کے اچھے کام پر مسکرا کر داد دینی یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

دائمی بشاشت اور تازگی:

مسکراہٹ کی چوتھی قسم دائمی بشاشت اور تازگی ہے۔

[1] ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مسکراتے ہیں، جس طرح اس کی شان کو لائق ہے۔

یوں کہ آپ کا چہرہ ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور خوشی سے دمکتا رہے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ ہے:

((عَنْ أَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ)) [1]

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا اپنے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرانا صدقہ ہے''

نوٹ:

اس شخص کو مسکراہٹ کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے جس کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسکراہٹ ایک صدقہ ہے۔

[1] جامع ترمذی: ۱۹۵۶۔

دلچسپ گفتگو کرنا

آپ میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ جس جگہ چار آدمی گفتگو کر رہے ہوں وہاں آپ بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو سکیں، آپ بھی ان کو کوئی مشورہ دے سکیں، آپ بھی ان سے کوئی اچھی بات کہہ سکیں۔ کوئی آفیسر ہو یا بڑے سے بڑا آدمی ہو یا پھر کلاس روم میں اپنے کلاس فیلوز کے سامنے تقریر کرنی ہو تو پھر بھی آپ بلا ہچکچاہٹ گفتگو کر سکیں اگر آپ کو بولنے میں دشواری ہوتی ہے تو کم از کم آپ دوسروں کی گفتگو میں دلچسپی لیتے رہیں اور ان کی بات چیت سنتے رہیئے گا ہے بہ مناسب سوالات بھی کرتے رہیے گا، لوگ اس کو پسند کریں گے اور آپ کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔

کوئی شیشہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر پیش نہیں کر سکتا جتنی اس کی بات چیت۔ [1]

اس لیے آپ کو وقتاً فوقتاً محفل میں گفتگو کرنی چاہیے۔

کیونکہ عورت کتنی بھی حسین کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ بالکل خاموش بت بنی بیٹھی رہے تو تھوڑی ہی دیر میں انسان گھبرا جائے گا کچھ اس قسم کی بات مرد کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے خواہ کتنا ہی وجیہہ وشکیل اور طاقت ور آدمی کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ گم صم بیٹھا رہے تو آپ اس کی رفاقت سے اکتا جائیں گے اس قسم کے لوگ ذاتی سحر سے قطعی محروم ہوتے ہیں۔

آپ اپنے اندر اتنی صلاحیت پیدا کریں کہ آپ کو لوگوں کی ہیبت اور رعب و دبدبہ بھی حق بات (گفتگو) کرنے سے نہ روک سکے۔ دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِی سَعِیدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] بینسن جونس

لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ فِي حَقٍّ إِذَا رَآهُ أَوْ شَهِدَهُ أَوْ سَمِعَهُ قَالَ وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَسْمَعْهُ))❶

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا لوگوں کی ہیبت، رعب اور دبدبہ تم میں سے کسی کو حق بات کہنے سے نہ روکے، جب کہ وہ خود اسے دیکھ لے، یا مشاہدہ کرلے یا سن لے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کاش میں نے یہ حدیث نہ سنی ہوتی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ میں اتنی صلاحیت ہونی چاہیے کہ اگر آپ کو بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے گفتگو (حق بات) کرنی پڑے تو آپ کرسکیں لیکن ایک بات یاد رکھیے آپ کسی سے بھی گفتگو کریں آپ کی گفتگو دلچسپ ہونی چاہیے۔

اس بات کی ہمیں قرآن پاک سے دلیل ملتی ہے:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾ (طه: ٢٠/٤٣، ٤٤)

''آپ اور آپ کا بھائی (ہارون دونوں مل کر) دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔ پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے۔''

اس واقع سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون سرکش کی طرف بھیجا تو فرمایا: جب تم فرعون سے گفتگو کرو تو تمھاری گفتگو نرم یعنی دلچسپ لہجے میں ہونی چاہیے شاید اس کے دل پر اثر کر جائے۔ یاد رکھیے! گفتگو ہمیشہ واضح ہونی چاہیے کیونکہ غیر واضح گفتگو کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک بزرگ ایک باغ میں بینچ پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں اور ان کے

---

❶ مسند احمد ٣/٥٠، ١١١

قریب ایک کتا بیٹھا ہو بزرگ نے گود میں پڑا اخبار اٹھایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ اچانک بزرگ کو کسی نے مخاطب کیا اور پوچھا کیا آپ کا کتا کاٹتا ہے؟ بزرگ نے اخبار سے نظریں اٹھائیں اجنبی کو دیکھا اور کہا نہیں جیسے ہی اجنبی نزدیک آیا کتے نے غرّانا شروع کیا اور اجنبی پر حملہ کر دیا کتے سے بچنے کی کوشش میں اجنبی کے کپڑے پھٹ گئے کتے سے جان چھڑا کر اجنبی نے غصے سے بزرگ سے کہا آپ نے مجھے یہ کہا تھا کہ آپ کا کتا نہیں کاٹتا۔ بزرگ نے اس کی جانب ترحم سے دیکھا اور کہا لیکن یہ کتا میرا تو نہیں۔ گفتگو بالکل واضح ہونی چاہیے کہ سننے والے کو سمجھ آئے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

اسی لیے تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی:

﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَ يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ ﴾

(طه : ۲۰/۲۵ تا ۲۸)

''اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے واضح گفتگو کرنے والا بنا دے تاکہ میں اپنی بات لوگوں کو سمجھا سکوں۔

گفتگو اس وقت دلچسپ ہوتی ہے جب فن، فصاحت و بلاغت سے مزین ہو۔

دلیل کے طور پر یہ واقعہ:

ایک دن عرب کے تین بڑے سردار قیس بن عاصم، زبرقان بن بدر اور عمرو بن اہتم رسول اللہ ﷺ کے مہمان بنے ان تینوں کا تعلق قبیلہ بنوتمیم سے تھا وہ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے عربوں کے روایتی تفاخر پر اتر آئے۔

زبرقان بولا: اے اللہ کے رسول! میں تمیم کا سردار ہوں میری بات مانی جاتی ہے میں ان

پر ظلم و ستم نہیں ہونے دیتا ان کے حقوق انھیں دلاتا ہوں۔

اس نے عمرو بن اہتم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ان باتوں کو بخوبی جانتے ہیں عمرو بن اہتم نے بھی زبرقان کی تعریف کی اور کہا اے اللہ کے رسول! یہ واقعی بہت ذہین و فطین اور حاضر جواب ہیں، بارعب ہیں اور قوم ان کی بات مانتی ہے یہ کہہ کر عمرو خاموش ہو گیا اور مبالغہ آرائی نہیں کی زبرقان لمبے چوڑے تعریفی جملوں کا منتظر تھا لیکن عمرو نے اختصار سے کام لیا اور اس پر زبرقان کو غصہ آ گیا اس نے سمجھا کہ عمرو کو اسکی سرداری سے حسد ہے۔ وہ بولا:

واللہ! اے اللہ کے رسول! یہ اور بھی بہت کچھ کہتے لیکن انھیں حسد نے روک لیا ہے۔

عمرو نے یہ بات سنی تو طیش میں آ گیا اس نے کہا میں آپ سے حسد کیوں کروں گا؟ آپ کم ظرف اور نودولتے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آپ کی اولاد بے وقوفوں کا ٹولہ ہے۔ قبیلے میں آپ کی کوئی عزت نہیں واللہ! اے اللہ کے رسول! جو میں نے پہلے کہا تھا وہ سچ تھا اور اب جو کہا ہے وہ بھی جھوٹ نہیں ہاں! جب میں راضی تھا تو ان کی اچھائیاں جو میرے علم میں تھیں بیان کیں اور جب طیش میں آیا تو ان کی برائیاں جو پہلے چھپالی تھیں بتا دیں۔ واللہ! میں نے دونوں بار سچ ہی کہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو عمرو بن اہتم کی حاضر جوابی قوت بیان اور فصاحت و بلاغت اچھی لگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا)) [1]

''ہاں واقعی الفاظ میں جادو ہوتا ہے، ہاں واقعی الفاظ میں جادو ہوتا ہے''

فصاحت و بلاغت پر ایک حکایت بھی سنیے۔

ایک حکمران نے اپنے کوتوال کو حکم دیا کہ رات کو عشاء کی نماز کے بعد شہر میں گشت کیا کرے اور آوارہ پھرنے والوں کو سخت سزا دیا کرے۔

کوتوال نے رات کو گشت کیا اور تین لڑکوں کو دیکھا جو مستی کرتے ہوئے جا رہے تھے اور

[1] الصحیح البخاری، کتاب النکاح، ح: ۵۱۴۶

غالباً نشے میں چور تھے کوتوال نے انھیں پکڑ لیا اور پوچھا تم کون ہو اور تم نے بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟

یہ سن کر ان میں سے ایک لڑکا آگے بڑھا اور بولا کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ میرا باپ وہ شخص ہے جس کے سامنے آقا و غلام سبھی کی گردنیں جھک جاتی ہیں لوگ اس کے سامنے سر جھکائے آتے ہیں وہ ان سے ان کا مال بھی لے لیتا ہے اور بعض اوقات خون بھی کوتوال نے دل میں سوچا کہ شاید یہ حکمران کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی ہے لہٰذا اس نے اس سے درگزر کیا اور دوسرے سے پوچھا تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس کا چولہا کبھی بجھتا نہیں طرح طرح کے پکوان پکتے اور لوگوں میں تقسیم ہوتے ہیں تو لوگوں کو اس کے چولہے کے پاس بھیڑ لگائے دیکھے گا کہ کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا ہے اور ہر کوئی اس کی توجہ کا منتظر ہے۔

کوتوال نے اسے بھی درگزر کیا اور سوچا کہ شاید یہ عرب سے کسی شریف اور سخی گھرانے کا بچہ ہے تیسرے سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو ہمت اور جواں مردی سے صفوں میں گھس جاتا ہے اور ننگی تلوار سے صفوں کو سیدھا کر ڈالتا ہے کوتوال اس سے بھی باز رہا اور سمجھا کہ شاید یہ عرب کے کسی سپہ سالار کا بچہ ہے صبح ہونے پر کوتوال نے انکا قصہ حکمران کو سنایا حکمران نے انھیں بلا کر ان کے متعلق تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ پہلا لڑکا نائی کا ہے دوسرا نان بائی کا ہے تیسرا جولاہے کا ہے حکمران کو ان کی فصیح البیانی پر حیرت ہوئی کہ انھوں نے اپنے کم تر پیشوں کو کتنے بہتر انداز میں پیش کیا ہے اور اس طرز بیان میں ہنر، خوبی اور دانش نظر آتی ہے۔

حکمران نے اہل دربار سے کہا اپنی اولاد کو ادب آداب اور (گفتگو) بات چیت کے سلیقہ کی تعلیم دو اس لیے آج ان کی کلام میں اگر فصاحت و بلاغت نہ ہوتی تو بخدا میں انھیں سخت سزا دیتا۔

ہتمی:

جیسے آپ میٹھا پھل خریدتے ہیں اسی طرح میٹھے بول دلچسپ گفتگو اپنائیں جب آپ میں یہ خصلت پیدا ہو جائے گی تو ان شاء اللہ دوسروں کے لیے آپ پسندیدہ شخصیت بن جائیں گے۔

فوری غصہ مت کریں

اگر دوران گفتگو آپ سے کوئی تلخ کلامی یا بدمزاجی سے پیش آتا ہے تو آپ فوری غصے میں مت آئیں اور دلچسپ گفتگو کے پہلو کو اپنے ہاتھ سے مت جانے دیں اگر آپ نے اس سنہری موتی کو کھو دیا تو آپ کی شخصیت کا سحر ختم ہو جائے گا۔

کیوں کہ اگر آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو آپ کو زندگی کے ہر شعبے میں بے شمار بد مزاج اور چڑچڑی طبیعت کے لوگ مل جائیں گے جن کا وجود اپنوں اور پرایوں سب ہی کے لیے مصیبت بنا رہتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کا قول ہے ''سخت کلامی سے ابریشم جیسے نرم دل بھی سخت ہو جاتے ہیں۔''

کثیر بن عبید رحمہ اللہ نے ایک حکایت بیان کرتے ہوئے لکھا ''ایک شخص بدمزاج بڑا وجیہہ و شکیل تھا کسی فلسفی نے اسے دیکھا تو بے اختیار بولا عمارت تو بڑی خوبصورت اور شاندار ہے لیکن اس میں رہنے والا نہایت قبیح ہے۔''

یہ حقیقت کسی بات کی محتاج نہیں کہ بدمزاج اور بد اخلاق اپنوں میں بھی اجنبی بن کے رہتا ہے میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جس کے چہرے کو دیکھنے سے ہمیشہ یہ ہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ غصے میں ہے اور یہ بات حقیقت ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے زیادہ دوست نہیں ہیں دوست ہونا تو دور اس سے تو کوئی جلدی بات نہیں کرتا۔

<u>یاد رکھیے!</u>

جس کا غصہ زیادہ ہے اس کے دوست بہت کم ہیں اس لیے انسانوں سے انسانیت کے لہجے میں بات کریں ورنہ جانوروں کی طرح خاموش رہیں کیوں جانور نہیں بولتے۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ نے غصے کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ دلیل یہ آیت ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾

(الاعراف : ۷/۱۹۹)

''درگزر اختیار کر اور نیکی کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کر۔''

اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ (الفرقان : ۲۵/۶۳)

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔''

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ اگر دوران گفتگو آپ کی کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو غصہ مت کریں اور نرمی کے پہلو کو اختیار کیے رکھیں اس کا فائدہ یہ ہوگا اگر وہ آپ کا دشمن بھی ہو گا تو آپ کا دوست بن جائے گا دلیل یہ آیت ہے۔

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ (حم : ۴۱/۳۴)

''اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی۔ (برائی کو) اس (طریقے) کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے، تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں برائی بدکلامی و بدزبانی کی صورت میں ہو تب بھی۔

خوش کلامی دلچسپ گفتگو میں اس کا جواب دیں اور وہ لوگ قابل تعریف ہوتے ہیں جو قوت علم کے ساتھ شدت غضب کو زائل کر سکیں اور وہ لوگ قابل مذمت اور قابل نفرت بن

جاتے ہیں جو قوت علم کے ساتھ شدت غضب کو زائل نہ کر سکیں کیوں کہ غصے میں بھائی کو کہے گئے الفاظ اس کے دل میں زخم کر دیتے ہیں اس بات کو ایک مثال کے ساتھ سمجھئے۔

ایک لڑکا بہت ہی غصے والا تھا جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ ہاتھ اور زبان بھی اس کے بس میں نہ تھے ایک دن اس کے والد نے اسے بلوایا اور کیلوں سے بھری ہوئی ایک بوری اس کے حوالے کر دی اور کہا کہ آئندہ سے جب بھی تم اپنے غصے پر قابو نہ رکھو تمھیں کسی پر غصہ آئے یا کسی پر تشدد کرنے کو جی چاہے تو باغیچے میں موجود لکڑی کے دروازے پر ایک کیل گاڑ دینا۔ لڑکے نے پہلے دن 47 کیلیں گاڑیں، اس کو جب بھی غصہ آیا اس نے کیلوں کو دروازے میں گاڑ کر غصہ ٹھنڈا کیا، اسی طرح اس نے خود کو سکون محسوس کرنا شروع کر دیا اور اس کا غصہ نسبتاً کم ہونے لگا دن بدن دروازے پر کیلوں کی تعداد کم سے کم ہوتی گئی حتیٰ کہ ایک دن لڑکے کو احساس ہوا کہ دروازے پر کیل گاڑنے کی بجائے خود کو کنٹرول کرنا زیادہ آسان ہے حتیٰ کہ ایک دن وہ آ گیا جب اس نے دروازے میں کوئی کیل نہ گاڑی تب وہ اپنے والد کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ آج اسے کوئی بھی کیل گاڑنی نہیں پڑی۔

تب اس کے باپ نے اس سے کہا آنے والے دنوں میں ہر اس دن جب وہ اپنے غصے پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے اور صبر کا دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے تو ایک کیل دروازے سے نکال دے کافی دن گزر گئے اور لڑکے نے باپ کو بتایا کہ اس نے دروازے میں تمام کیل باہر نکال دیئے ہیں۔

تب باپ اپنے بیٹے کو اس لکڑی کے دروازے کے پاس لے گیا اور کہا بیٹا تمھارا رویہ اچھا رہا لیکن دیکھو کہ تم نے دروازے میں کتنے سوراخ چھوڑ دیئے ہیں اب یہ دروازہ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔

جب بھی تمھاری کسی سے بحث ہو لڑائی ہو یا تم کسی کو برا بھلا کہو تم ان کے دلوں میں ایسے ہی چھید ڈالتے ہو جیسا کہ اس دروازے میں ڈالے تھے تم کسی شخص کے جسم میں خنجر ڈال دو

اور نکال لو زخم کا نشان باقی رہتا ہے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم کتنی بار معذرت کرتے رہو کتنی معافی مانگتے رہو نشان اپنی جگہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

یاد رکھیے!

لفظوں کے زخم اتنے ہی تکلیف دہ ہوتے ہیں جتنے کہ ہتھیاروں کے لگائے ہوئے زخم۔

چھوٹے جھگڑے کو بہت بڑے رشتے کو ختم کرنے کا باعث نہیں بننا چاہیے۔

اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ لوگ کس طرح آپ سے دور بھاگیں اور آپ کی پیٹھ پیچھے آپ پر قہقہے لگائیں اور آپ سے سخت نفرت کریں تو اس کا نسخہ درج ذیل ہے کسی کی بات زیادہ دیر تک نہ سنیے اپنی ہی سناتے جایئے جب کوئی دوسرا شخص بول رہا ہو اور آپ کے ذہن میں کوئی نیا خیال ابھرے تو اس کی بات ختم ہونے کا انتظار نہ کریں وہ آپ جیسا عقل مند نہیں اس کی فضول بکواس سننے میں آپ اپنا وقت کیوں ضائع کریں فوراً ہی بیچ میں کود پڑیں اور اسے اپنی بات پوری نہ کرنے دیجیے۔

کیا اس نسخے پر عمل کرنے والے لوگوں سے آپ کا پالا پڑا ہے؟ ضرور پڑا ہوگا ایسے لوگ محض اکتاہٹ پھیلاتے ہیں یہ لوگ اپنی بڑائی کے نشے میں مست ہیں اپنی برتری کے حساس میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں اس لیے اگر آپ اپنی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بننا چاہتے ہیں تو پھر اپنے اندر دوسروں کی باتوں کو غور سے سننے کی صلاحیت پیدا کیجیے اگر آپ دلچسپی کے طالب ہیں تو دوسروں میں دلچسپی لیجیے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بھی کیا خوب کہا ہے:

چو پر خاشی بینی تحمل بیار
که سهلی ببندر درکار رار
بشیرین زبانی و لطف و خوشی
تونائی که پیلی بموی کشی

لطافت کن آنجا کہ بینی ستیز

نبرد قزنرم راتیغ تیز[1]

"جب لڑائی دنگا دیکھے تو تحمل سے کام لے اس لیے کہ نرمی لڑائی کا دروازہ بند کردیتی ہے زبان کی مٹھاس اور مہربانی وخوشی سے تو ہاتھی کو کچے دھاگے سے کھینچ سکتے ہو جہاں جھگڑا دیکھو نرمی برتو تیز تلوار نرم ریشم کو نہیں کاٹ سکتی۔"

ایک اور قطع میں شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے:

مشو ایمن کہ تنگدل گردی

چوں ز دست دلی بہ تنگ آید

سنگ برباره حصار مزن

کہ بود کز حصار سنگ آید

"کسی کے دل کو دکھ دے کر اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھو کسی کو ستائے گا خود بھی تنگ ہوگا قلعہ کی دیوار پر سنگ باری نہ کر ہوسکتا ہے کہ قلعے سے بھی تیرے سر پر پتھر لگے۔"

اگر دوران گفتگو آپ کو غصہ آتا ہے اور آپ اس کو برا بھلا کہتے ہیں زبان کے گھاؤ اس کے دل پر لگاتے ہیں تو پھر یاد رکھیے! کہ آپ بھی اس کے غیض وغضب سے نہیں بچ سکتے اور اگر وہ آپ کا دوست بھی ہوگا تو دشمن بن جائے گا اور آپ کی شخصیت اس کی نگاہ میں قابل نفرت بن جائے گی اور یہ نفرت انتقام کی آگ میں بدل جائے گی۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو تو پھر دوران گفتگو آپ کو اپنے ملاقاتی کی کوئی بات یا حرکت ناپسند لگتی ہے تو غصہ نہ کریں اور نہ ہی خوش کلامی کے ہنر کو اپنے ہاتھ سے جانے دیں، ہمیں زندگی میں مختلف انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے یعنی کوئی غصے والا ہے تو کوئی بردبار اور تحمل مزاجی کا مالک ہے تو کوئی ہوشیار چالاک ہوتا ہے اور کوئی سست

[1] گلستان سعدی، باب سوم، در فضیلت قناعت، ص:۱۲۲۔

اور کاہل ہوتا ہے کوئی پڑھا لکھا اور کوئی ان پڑھ جاہل کوئی اچھے گمان رکھنے والا ہوتا ہے اور کوئی بدگمانی کرنے والا ہوتا ہے اگر ان مختلف مزاجوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے مزاج کا یہ اختلاف زمین کے مزاج کے مختلف ہونے کی طرح ہے

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِی مُوسَی الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ فَجَاءَ مِنْهُمْ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ)) [1]

"حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو (مٹی کی) مٹھی سے پیدا کیا جسے اس نے پوری زمین سے اکٹھا کیا، اس لئے اولادِ آدم میں سے کوئی سرخ رنگ کا ہے کوئی سفید ہے تو کوئی کالا ہے اور کوئی ان رنگوں کے درمیان، اسی طرح کوئی نرم مزاج ہے تو کوئی سخت، کوئی خبیث اور کوئی طیب۔"

لوگوں سے ملاقات کے وقت ان کے مزاج کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔

ایک غور طلب بات:

غصہ برا دوست ہے جو عیبوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور ظاہری برائیوں کو نزدیک اور نیکی کو دور کر دیتا ہے۔

[1] جامع ترمذی: ۲۹۵۵

ملنے والے کا لحاظ کرنا

دوران گفتگو اگر کسی نے آپ سے کوئی نازیبا بات کہہ دی ہے تو غصہ مت کریں بلکہ آپ ملنے والے کا لحاظ کریں اگر وہ آپ سے بڑا ہے تو ادب احترام بجا لائیے اور اگر چھوٹا ہے تو اپنا بیٹا سمجھ کر لحاظ کیجیے اور اگر والدین ہیں تو ان کا بالا ولی احترام کریں ان کے آگے اُف تک نہ کہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۲۳)

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرو۔ اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' مت کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان سے بہت کرم والی بات کہہ۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کہا ہے کہ اپنے والدین کو جھڑکنا تو دور کی بات اُف تک بھی نہ کہنا۔

پتا ہے اُف انسان کب کہتا ہے؟ جب انسان کے جسم میں کوئی درد یا تکلیف ہوتی ہے یعنی اگر تمہارے ماں باپ تمہیں ماریں تو اس مار کی وجہ سے اگر تم کو درد ہو تو پھر بھی اُف نہیں کرنی ہیں۔

ملنے والے لوگوں کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے کیوں کہ اگر آپ ملنے والوں کا لحاظ نہیں

رکھیں گے اور آپ کے چال چلن بے تکے اور بے ڈھنگے ہوئے تو آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ نہیں بن سکتی اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بنے تو نیکی اور نرمی نہایت ضروری ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ زَرْبِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ أَنْ يُوَسِّعُوا لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا)) [1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا لوگوں نے اسے راستہ دینے میں تاخیر کی تو آپ نے فرمایا جو شخص کسی چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام نہ کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔''

لہٰذا:

ہمارے چال چلن اور طور طریقے درست ہونے چاہییں تاکہ جو ایک بار ہم سے ملے وہ پھر ملنے کا مشتاق ہو۔

[1] جامع ترمذی، کتاب البر و الصلة : ۱۹۸٤

نام یاد رکھیے

دنیا کا ہر آدمی دوسرے آدمیوں کے ناموں کے مقابلے میں اپنے نام سے زیادہ محبت کرتا ہے کسی آدمی کا نام یاد رکھیے اور احترام سے بلائیے آپ اگر اس کے نام کو بھول جائیں غلط لکھیں یا بولیں تو سمجھئے کہ آپ نے اپنے آپ کو بڑا نقصان پہنچایا۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا برا نام رکھنے اور الٹا نام لینے سے منع کیا ہے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾ (الحجرات : ۴۹/۱۱)

''اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں کے ساتھ پکارو، ایمان کے بعد فاسق ہونا برا نام ہے اور جس نے توبہ نہ کی سو وہی اصل ظالم ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو درست ناموں کے ساتھ پکاریں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے نام یاد رکھنے چاہییں کیوں کہ لوگ عام طور پر پسند کرتے ہیں کہ انھیں ان کے ناموں سے بلایا جائے اسی لیے تو ملٹری افسر سینے پر نام کی ننھی تختی سجاتے ہیں لوگ اپنے گھروں کے باہر اپنے نام کی تختی لگاتے ہیں حتی کہ ننھے منے بچے اپنی کتابوں پر اپنا نام لکھتے ہیں۔

اگر آپ نے پہلی ہی ملاقات میں کسی کا نام یاد رکھ لیا تو گویا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے اسے اہمیت دی اور وہ بھی سمجھے گا کہ آپ نے اسے اہمیت دی ہے تو وہ آپ کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دے گا اور آپ اس کی پسندیدہ شخصیت بن جائیں گے۔

اس کی مثال یوں لے لیں ایک استاد اپنے شاگردوں کے نام یاد رکھتا ہے اور دوسرے یاد نہیں رکھتے دونوں میں بڑا فرق ہے جو اپنے شاگردوں کے نام یاد رکھتا ہے شاگرد بھی اس کی عزت دوسرے اساتذہ سے زیادہ کرتے ہیں اور وہ بچوں کا پسندیدہ استاد ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ پر فرماتے ہیں:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ ﴾ (الاحزاب : ۳۳/۵)

''انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے، پھر اگر تم ان کے باپ نہ جانو تو وہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

لوگوں کے نام یاد نہ رہنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً دوران ملاقات آدمی کی ذات کو اہمیت نہ دینا اس سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوگی یا پھر اس کو عام آدمی جان کر نام یاد رکھنے کی ضرورت نہ سمجھنا تعارف کے وقت توجہ نہ دینا چنانچہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو اور آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائیں تو متعلقہ لوگوں کے نام زیادہ سے زیادہ یاد رکھیں۔

اور اس کا حل یہ ہے اگر اس کا نام آپ کے کسی دوست کے نام پر ہے تو اس کے نام کو آپ اپنے دوست کے نام پر ذہن نشین کریں مثلاً آپ کے دوستوں یا رشتے داروں میں سے کسی ایک کا نام زید ہے اور آپ کو کوئی اجنبی ملتا ہے وہ بھی اپنا نام زید بتاتا ہے اب اس کے نام کو اپنے رشتہ دار یا دوست (یعنی جس کا نام زید ہے) کے نام پر ذہن نشین کر لیں۔

یا پھر آپ اس ملنے والے کا لب و لہجہ ذہن نشین کر لیں مثلاً جو اس انداز سے بولتا ہے اس کا نام بکر ہے یا پھر ملنے والے کے نام کو اپنے ذہن میں بار بار دہرائیں اس سے بھی اس کا

نام ذہن نشین ہو جائے گا اور انھیں پوری اہمیت اور احترام دیں یاد رکھیں! کسی آدمی کے لیے اس کا نام سب سے میٹھی اور اہم آواز ہے۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں جا بجا انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا ہے۔

﴿يَآ إِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ (هود : ١١/٧٦)

"اے ابراہیم! اسے درگزر کر"

﴿قَالَ يٰنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ (هود : ١١/٤٦)

"فرمایا اے نوح! بے شک وہ تیرے گھر والوں سے نہیں"

﴿يٰدَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ (ص : ٣٨/٢٦)

"اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے"

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿١٧﴾﴾ (طه : ٢٠/١٧)

"اور یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ!؟"

﴿إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ (آل عمران : ٣/٥٥)

"جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں"

یاد رکھیں:

میرے لیے میرا نام ہی سب سے میٹھی اور اہم آواز ہے مجھے میرے نام سے بلائیں اور اپنے نزدیک میری اہمیت جتائیں تاکہ میں آپ سے محبت کروں۔

3

ملنے والے کو مختلف انداز میں اہمیت دینا

دوسروں کا خیال رکھیں
اچھا گمان
جو اپنی پسند ہو وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کریں
دوسروں کی حوصلہ افزائی
دوسروں کی تعریف کریں
دوسروں کی مذمت نہ کریں
دوسروں کی بات مت کاٹیں

دوسروں کا خیال رکھیں

آپ کو خود تجربہ ہوا ہوگا کہ لوگ جب آپ کی پریشانی دکھ اور تکلیف کا خیال نہیں رکھتے تو آپ کو بے حد رنج وغم ہوتا ہے اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بنے تو پھر دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔

دلیل یہ سورت ہے:

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۝ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ ﴾

(الماعون: ۱۰۷/۱ تا ۷)

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو جزا کو جھٹلاتا ہے۔ تو یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور عام برتنے کی چیزیں روکتے ہیں۔"

جو آدمی دوسروں کے احساسات، فلاح و بہبود اور آرام کا خیال نہیں رکھتا تو پھر لوگ بھی اس کے احساسات کا احترام نہیں کرتے اور نہ ہی وہ لوگوں کے ہاں پسندیدہ شخصیت بن سکتا ہے یہ سورت اتنی جامع ہے کہ اگر ہر انسان اس سورت کو سامنے رکھ لے اور اس پر عمل کرے تو یقیناً اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ دوسروں کا ضرور خیال رکھ رہے ہیں جب آپ دوسروں کا خیال رکھیں گے تو اس کا ردعمل یہ ہوگا کہ لوگ آپ کی شخصیت کے گرویدہ ہو جائیں گے آپ

اپنے اردگرد یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہیے کہ آپ دوستوں عزیزوں اور پڑوسیوں کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں مثلاً اگر آپ کے پڑوسیوں میں سے کوئی سخت بیمار ہے اور اس کو ہسپتال پہنچانے کے لیے ان کے پاس سواری نہیں ہے اگر آپ کے پاس گاڑی ہے تو اس کو ہسپتال لے جانے میں اس کی مدد کریں، یا پھر کوئی بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلا دیں، یا پھر کوئی مسافر ہے رات گزارنا چاہتا ہے تو اس کو اچھا کھانا کھلائیں اور اس کے رات گزارنے کا بھی بندوبست کر دیں، یا پھر کسی کو کپڑے کی ضرورت ہے تو آپ اس کو کپڑے لے دیں۔

یاد رکھیے!

جتنی آپ دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے اور اپنا وقت صرف کرتے جائیں گے اتنی ہی آپ کی ذات ان لوگوں کے لیے پسندیدہ ہوتی چلی جائے گی۔

اس لیے تو نبی کریم جناب محمد ﷺ نے فرمایا :

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي))[1]

---

[1] الصحيح المسلم، كتاب البر والصلة: ٦٥٥٦

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا وہ کہے گا۔ اے پروردگار! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے تو اللہ فرمائے گا: کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے اللہ فرمائے گا۔ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا تھا اگر تو اسے پانی پلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسروں کا خیال رکھنا اتنا اعلیٰ عمل ہے جہاں اس کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بنے گی وہاں اللہ اس سے محبت کریں گے اور اس محبت کا جواب آخرت کو اجر عظیم کی صورت میں عطاء کریں گے۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَسَمِّتْهُ وَإِذَا

مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ))❶

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کر جب وہ تجھے دعوت دے تو قبول کر اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی طلب کرے تو تو اس کی خیر خواہی کر جب وہ چھینکے اور اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کہے تو تم دعا دو یعنی یَرْحَمُكَ اللّٰہ کہو جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو۔''

قرآن و حدیث میں یہ حقوق اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ جس طرح آپ حساس ہیں اس طرح دوسرے بھی ہیں دوسروں کی تحقیر کرنے سے ہمیشہ احتراز کیجئے بحث و مباحثے کے دوران اس پر مُصِرّ نہ ہوں کہ ہمیشہ فتح آپ ہی کی ہو۔ اختلاف رائے کے موقع پر کسی کو منہ توڑ جواب ہرگز نہ دیجیے۔

یاد رکھیے! کہ خلوص و محبت بے غرضی انکساری اور حلم و مروت ہی کی بدولت انسان کی ذات دوسروں کے لیے پسندیدہ بن سکتی ہے اور یہ تمام خوبیاں صرف اسی وقت پیدا ہوسکتی ہیں جب انسان دوسروں کا خاص طور پر خیال رکھے۔

❶ الترغیب والترهیب / ریاض الصالحین

اچھا گمان

اچھا گمان ہی بنیاد ہے دوسروں کے خیال رکھنے کی یقیناً آپ اس وقت دوسرے کا خیال رکھیں گے جب آپ کے گمان اس کے بارے میں اچھے ہوں گے یعنی کہ گمان پر ہی بنیاد کھڑی ہوتی ہے اگر گمان اچھے ہوں عمارت کا میٹریل بھی ایمانداری سچائی ہوشیاری اور بلند ہمتی ہوتا ہے اور عمارت ان تمام خوبیوں سے مزین اور خوبصورت ہوتی ہے اور اگر گمان برے ہوں تو عمارت بدکرداری اور بدسلوکی اور تمام برے میٹریل سے مزین ہوتی ہے نسل انسانی کے سچے خیر خواہ بننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے خیالات (گمانات) کو صاف ستھرا بنایا جائے۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے اپنے قرآن میں برے گمانوں سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

(الحجرات: ۴۹/۱۲)

''مسلمانو! (اپنے بھائی مسلمان کے ساتھ) بہت گمان کرنے سے بچے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض گمان گناہ ہے اس لیے کہ جب آپ کسی دوسرے کے بارے میں برا گمان رکھتے ہیں تو برا گمان آپ کو نفرت میں بدل دیتا ہے اور جب آپ کسی سے نفرت کریں گے تو یقیناً وہ بھی اس کے جواب میں آپ سے نفرت کریں گا کیوں کہ برا گمان اور انسان کا ذاتی سحر

متضاد چیزیں ہیں) اور نہ جاسوسی کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جب کہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی زندگی گزارنے کے اصول دیئے ہیں اگر انسان ان اصولوں پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کی شخصیت کو چار چاند لگ جائیں گے اور دوسروں کے لیے بھی اس کی شخصیت پسندیدہ ہو گی۔

کیا کبھی آپ نے برا گمان کرنے والے شخص کے بارے میں سنا ہے کہ لوگ اس کی شخصیت کو پسند کرتے ہیں ہرگز نہیں۔

اچھے گمان پیدا کرنے کا طریقہ:

اچھے گمان اپنے اندر پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں جہاں تک ہو سکے منفی اور برے گمان اپنے ذہن میں داخل نہ ہونے دیجیے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیے تو معلوم ہو گا کہ ہر چیز کے ہمیشہ دو پہلو ہوتے ہیں ایک روشن دوسرا تاریک زندگی کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ انسان تاریک پہلوؤں کی زد سے کلیتاً محفوظ نہیں رہ سکتا تاہم تھوڑی سی سوجھ بوجھ سے کام لے کر ان تاریک پہلوؤں کے منفی اثرات سے با آسانی محفوظ رہا جا سکتا ہے اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی نظر ہمیشہ روشن پہلوؤں پر رکھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اشارہ اپنے قرآن میں دیا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (النور : ٢٤/ ١١_١٢)

لیے برا مت سمجھو، بلکہ یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر آدمی کے لیے گناہ میں سے وہ ہے جو اس نے گناہ کمایا اور ان میں سے جو اس کے بڑے حصے کا ذمہ دار بنا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایمان داروں کو چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں ایک سبق دیا ہے کہ اگر تم کسی کے بارے میں کوئی ایسا واقعہ سنتے یا لکھتے ہو جس میں اچھا اور برا دونوں پہلو موجود ہوں تو پھر اس کے بارے میں اچھا گمان رکھیں کیوں کہ اچھا گمان رکھنا مومنوں کا خاصہ اور برا گمان رکھنا منافقین کا خاصہ ہے، اب آپ کی مرضی ہے چاہے تو مومنوں میں شامل ہو جائے یا پھر منافقین میں۔

زندگی کو خوشگوار بنانے اور غیر ضروری الجھنوں اور تلخیوں سے نجات دلانے کے لیے اپنے ذہن کو ہر معاملے کے روشن پہلو کو تلاش کرنے کی عادت ڈالیے اسی لیے تو پیارے نبی ﷺ نے بدگمانی سے روکا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَافَسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا))[1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ بات ہے اور نہ ہی تم ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب تلاش کرو اور حرص نہ کرو اور حسد نہ کرو اور

[1] الصحیح المسلم: کتاب البر والصلة: ٦٥٣٦

بغض نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ۔"

اس حدیث میں جتنے بھی عیوب سے روکا گیا ہے اگر ان میں سے برے گمان ہی کو انسان چھوڑ دے تو باقی تمام عیبوں سے بچ سکتا ہے کیونکہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے بارے میں بدگمان ہوتا ہے تو پھر وہ اس کی ہر بات پر کان لگاتا ہے اور جب وہ اپنی کسی خاص بات پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کی جاسوسی کرتا ہے اور پھر یہ باتیں اس کے دل میں حسد اور بغض کی آگ بھر دیتی ہے اور یہ تمام کام اس کو اس کی دشمنی پر آمادہ کر دیتے ہیں۔

اس لیے ہمیں تمام غلط خیالات، برے گمان اور بد افعالی کے خلاف انتھک جدو جہد کرنی چاہیے۔

یاد رکھیے!...... جس انسان کے گمان جتنے اچھے اور بلند ہونگے وہ اسی قدر ایماندار سچا ہوشیار اور باہمت ہو جائے گا اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی برآمد ہوگا کہ اس شخص کا ہر قول وفعل قابل یقین اور قابل تعریف ہو جائے گا اور یہ ہی ایمانداری سچائی ہوشیاری اور بلند ہمتی اس کی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بنا دے گی۔

جو اپنی پسند ہو وہ ہی اپنے بھائی کے لیے پسند کریں

جو اپنے لیے پسند کریں وہ ہی اپنے بھائی کے لیے پسند کریں، دنیا میں ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی مرضی چلے اس کی خواہشات اور مشوروں پر عمل کیا جائے آپ دوسروں پر اپنی رائے ٹھونس کر اپنی شخصیت میں پسندیدہ عنصر پیدا نہیں کر سکتے اس بات کی تائید کے لیے میں ایک واقع یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں۔

ایک لڑکے نے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی لیکن وہ انجینئر کے شعبہ میں کام نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ اپنا کوئی بزنس کرنا چاہتا تھا اور اس کا باپ تھا کہ وہ اس کو ایک ہی بات پر زور دے رہا تھا کہ تو انجینئرنگ کے شعبے میں ہی کام کر یعنی باپ اپنی مرضی اپنے بیٹے پر مسلط کر رہا تھا لیکن لڑکا اپنے باپ سے کاروبار کرنے کے لیے رقم کا مسلسل مطالبہ کرتا رہا اور باپ کی طرف سے مسلسل ایک ہی جواب آتا رہا کہ بیٹا تو انجینئرنگ کے شعبہ میں ہی کام کر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیٹے نے کسی دوسرے کے گھر میں چوری بھی کی اور قتل بھی کر دیا۔

یاد رکھیے!

اگر ہم زبردستی کسی پر اپنی مرضی مسلط کریں گے تو اس کے نتائج برے نکلیں گے۔

سچ بتائیے کیا آپ اپنے خیال پر زیادہ ایمان نہیں رکھتے اگر ایسا ہے تو کیا اپنے خیالات کی کڑوی گولی کو دوسروں کے گلے میں زبردستی ٹھونسنا بڑا نہیں ہے؟

نبی اکرم جناب محمد ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ

أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) ❶

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔''

یہ اتنی جامع حدیث ہے کہ اس نے اپنے اندر ہر قیمتی چیز کو سمالیا مثلاً جو آدمی خود کھائے وہی اپنے ماتحتوں کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی اپنے ماتحتوں کو پہنائے اور اس طرح اگر وہ خود یہ پسند نہیں کرتا کہ اس پر کوئی اپنی مرضی ٹھونسے تو پھر اس کو بھی چاہیے کہ وہ بھی کسی دوسرے پر اپنی مرضی کو مسلط نہ کرے۔

نکتہ:

اللہ تعالیٰ جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اور اس نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے دین اسلام جیسے اعلیٰ مذہب کا انتخاب کیا تا کہ انسان اس پر عمل کر کے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے کسی ایک کو بھی اسلام ماننے کے لیے مجبور نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو کسی پر زبردستی اسلام مسلط کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرة: ٢ / ٢٥٦)

''دین میں زبردستی نہیں (جب اللہ تعالیٰ نے دین میں زبردستی نہیں رکھی یعنی زبردستی کسی کو نہیں منوایا تو پھر تیری اور میری کیا حیثیت ہے کہ ہم اپنی مرضی کسی دوسرے پر مسلط کریں) بلاشبہ ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہو چکی، پھر جو کوئی باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے مضبوط کڑے کو

❶ الصحيح البخاري، كتاب الإيمان: ١٣- الصحيح المسلم: ١٧٠

تھام لیا، جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ سے حسد کی بجائے پیار کریں تو لوگوں سے مشورہ طلب کریں، زیادہ سے زیادہ ان کی رائے مانگیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کی اصلاح لیں بجائے اس کے کہ آپ لوگوں پر اپنی مرضی مسلط کریں تو اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ آپ کی طرف کھینچے چلے جائیں گے اس کی سب سے بڑی مثال رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکت ہے جو ہر معاملے میں اپنے ساتھیوں سے رائے طلب کرتے تھے، چاہے وہ جنگ کا میدان ہو یا پھر سیاست کا میدان ہو یا پھر کوئی خاص امور ہوتے تو آپ اپنے ساتھیوں کی رائے طلب فرماتے اسی لیے تو آپ ﷺ کی شخصیت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ تھی اور پسندیدگی کا عالم یہ تھا کہ جہاں نبی کریم ﷺ کا پسینہ بہتا وہاں صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا خون بہتا آپ ﷺ کا حکم ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دریاؤں میں اپنے گھوڑوں کو دوڑا دیتے۔

یاد رکھیے!

دوسروں پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی بجائے دوسروں سے رائے لیں۔

دوسروں کی حوصلہ افزائی

آپ کسی پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی بجائے اس کے اچھے خیالات (گمان) کی قدر کرتے ہوئے حتیٰ الامکان اس کی حوصلہ افزائی کریں۔
یاد رکھیے! جب آپ کسی کی حوصلہ افزائی کر دیتے ہیں تو وہ بے حد خوش ہو کر آپ کے پاس سے اٹھتا ہے آپ کی حوصلہ افزائی کی بدولت اس شخص کی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔
اللہ نے قرآن پاک میں اپنے ماننے والوں کی مختلف انداز میں حوصلہ افزائی کی ہے۔
﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝١٣٩﴾
(آل عمران : ۳ / ۱۳۹)
''اور نہ کمزور بنو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو، اگر تم مومن ہو۔''
چونکہ احد والے دن ستر (۷۰) مسلمان شہید ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی ہے کہ اس سے پہلے بھی دیندار لوگ مال و جان کا نقصان اٹھاتے رہے لیکن بالآخر غلبہ انھی کا ہوا تم پچھلے واقعات پر ایک نگاہ ڈال لو تو یہ راز تم پر کھل جائے گا جنگ بدر تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے کہ تم ۳۱۳ تھے اور کافر ایک ہزار تھے لیکن غلبہ تم ہی کو ہوا اس قرآن میں لوگوں کے لیے پہلی امتوں کا بیان بھی ہے اور یہ ہدایت وعظ بھی ہے مسلمانوں کو یہ واقعات یاد دلا کر پھر مزید تسلی کے طور پر فرمایا کہ تم اس جنگ کے نتائج دیکھ کر بددل نہ ہو جانا نہ مغموم اور نہ ہی حوصلہ ہار کر بیٹھ رہنا فتح و نصرت غلبہ اور علو بالآخر اے مومنین! تمھارے لیے ہی ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر ایسا حوصلہ اور ہمت پیدا کی جس کی بنا پر ۳۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ بدر میں ۱۰۰۰ کو شکست سے دوچار کیا اور ۳۰۰۰ صحابہ کرام] نے

غزوہ خندق میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) کو شکست دی اور چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ خیبر میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) کو شکست دی اور تیس ہزار (۳۰۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوہ تبوک میں ایک لاکھ کافروں کو شکست دی یہ سب کامیابیاں حوصلہ افزائی کی بدولت تھیں جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو دیں تھیں۔

ہم اس بات کے متمنی رہتے ہیں کہ ہمارے ساتھی ہماری کوششوں کی داد دیں یہ ہی سبب ہے کہ حوصلہ افزائی کی بدولت اس قدر کامیابیاں دیکھنے میں آتی ہیں یہ حوصلہ افزائی کی کرشمہ سازی تھی کہ عرب کے بدنشین لوگوں نے دنیا پر حکومت کی سڑکوں پر اخبار بیچنے والے لڑکے کروڑ پتی بن گئے اور کمزور ونحیف لوگ دنیا کے طاقت ور پہلوان بن گئے حوصلہ افزائی نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیئے، زخم خوردہ دلوں پر مرہم رکھ دیا اور نہ جانے کتنے انسانوں کو تباہی و بربادی اور خودکشی سے بچالیا اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم مشکل حالات میں اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کریں ان کی ڈھارس باندھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کوئی شخص ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس طرح ملتے کہ ملنے والا یوں محسوس کرتا کہ اس کا مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہے کہ اس کی مشکل کے لیے اس قدر پریشان اور فکر مند ہیں جتنا وہ خود فکر مند ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ أُقِيمَتْ الصَّلَاةُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاجِي رَجُلًا فَلَمْ يَزَلْ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ أَصْحَابُهُ ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى بِهِمْ)) [1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نماز کی اقامت کہی گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی سے سرگوشی کر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرگوشی میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کو

[1] الصحيح البخاري، كتاب الاذان : ٦٤٢

نماز پڑھائی۔"

نبی کریم ﷺ کا دیر تک اس آدمی سے باتیں کرنا حالانکہ تکبیر ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود بھی آپ ﷺ اس شخص سے اتنی دیر ہی کھڑے باتیں کرتے رہے جتنی دیر وہ آپ ﷺ سے باتیں کرتا رہا۔ بتائیے کیوں؟ اس لیے کہ حوصلہ افزائی کے لیے توجہ کی ضرورت ہے اور توجہ کے لیے وقت کی ضرورت ہے آپ ﷺ نے مختلف صورتوں میں حوصلہ افزائی کی ہے کبھی ایک جملے سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں مثلاً جیسے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو فرمایا "عثمان فی الجنة"

اور کبھی ایک وعظ کے ذریعے مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"اطمینان سے جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اترو، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو۔ بخدا! تمھارے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔" ❶

کبھی گرم جوشی سے ملنے کے ذریعے حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

مثلاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے پر گرم جوشی سے ملے اور اپنے پاس بٹھایا۔

یاد رکھیے!

ہمارا وقت رسول اللہ ﷺ کے وقت سے زیادہ قیمتی نہیں ہے اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے مختلف صورتیں اختیار کریں۔

بچے اور نوجوان بہت جلد حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں، لہٰذا ان کی ہمت افزائی کی مختلف صورتیں اختیار کرنی ہوتی ہیں کبھی ذرا سی مدد کر دینے سے کام چل جاتا ہے، کبھی انعام و اکرام کی امید اپنا جادو دکھا دیتی ہے، اگر آپ خود صاحب اولاد ہیں تو فبھا ورنہ جہاں بھی آپ کو بچے مل جائیں ان کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کیجیے اگر آپ کے پاس ملازم ہیں یا آپ کسی جگہ افسر ہیں تو یاد رکھیے کہ جس طرح سے مشین تیل ڈالنے سے رواں ہو جاتی ہے اسی طرح حوصلہ افزائی کی

❶ الرحیق المختوم، ص: ۵۰۲

بدولت آپ کے ماتحت اور ملازم نہایت اچھی طرح اپنے فرائض منصبی انجام دینے لگتے ہیں۔
دلیل یہ حدیث ہے

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَفْرِ الْخَنْدَقِ قَالَ وَعَرَضَ لَنَا صَخْرَةٌ فِي مَكَانٍ مِنَ الخَنْدَقِ لَا تَأْخُذُ فِيهَا الْمَعَاوِلُ قَالَ فَشَكَوْهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَوْفٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَضَعَ ثَوْبَهُ ثُمَّ هَبَطَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَأَخَذَ الْمِعْوَلَ فَقَالَ بِسْمِ اللَّهِ فَضَرَبَ ضَرْبَةً فَكَسَرَ ثُلُثَ الْحَجَرِ وَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَكَانِي هَذَا ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَضَرَبَ أُخْرَى فَكَسَرَ ثُلُثَ الْحَجَرِ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ الْمَدَائِنَ وَأُبْصِرُ قَصْرَهَا الْأَبْيَضَ مِنْ مَكَانِي هَذَا ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرَى فَقَلَعَ بَقِيَّةَ الْحَجَرِ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ وَاللَّهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِي هَذَا))[1]

"حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں (غزوہ احزاب کے موقع پر) خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودتے ہوئے ایک جگہ پہنچ کر ایک ایسی چٹان آ گئی کہ جس پر کدال اثر ہی نہیں کرتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور چٹان پر چڑھ کر کدال ہاتھ میں پکڑی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی جس سے اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا

[1] مسند احمد: ۱۸۸۹۸/۸، واسنادہ ضعیف

نبی کریم ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر فرمایا: مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں بخدا! میں اپنی اس جگہ سے اس کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں پھر بسم اللہ کہہ کر ایک اور ضرب لگائی جس سے ایک تہائی حصہ مزید ٹوٹ گیا اور نبی کریم ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا: مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئیں بخدا! میں شہر مدائن اور اس کے سفید محلات اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں پھر بسم اللہ کہہ کر ایک اور ضرب لگائی اور اس کا بقیہ حصہ بھی جھڑ گیا اور نبی کریم ﷺ نے اللہ اکبر کہہ کر فرمایا مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں بخدا! میں صنعاء کے دروازے اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔"

آپ ﷺ کا یہ کہنا کہ شام کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں اور کبھی یہ کہنا کہ مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں ہیں یقیناً آپ ﷺ ان تمام باتوں سے اپنے ساتھیوں میں حوصلہ پیدا فرما رہے تھے۔

اور پھر اسی حوصلہ کی بدولت شام و روم، یمن، فارس اور مصر فتح ہوئے اسی طرح اگر آپ اپنے ماتحتوں کی حوصلہ افزائی کر دیتے ہیں تو وہ لوگ دل کھول کر کام کرنے لگتے ہیں کیوں کہ ما تحت اپنے افسر کی شخصیت میں ایک سحر انگیز کیفیت محسوس کرنے لگتا ہے۔

اگر آپ کی ذات دوسروں کے لیے پسندیدہ ہے تو ہر جگہ آپ کی آؤ بھگت ہوگی اور آپ نہایت ہر دل عزیز شخص بن جائیں گے کیوں کہ یہ خوبی ہی ایسی ہے کہ ہر شخص اس کی قدر کرتا ہے۔

دعا:

میری خدا سے دعا ہے کہ جن چیزوں کو میں بدل نہیں سکتا انہیں برداشت کرنے کی مجھے صلاحیت عطا کرے! جنھیں بدل سکتا ہوں انھیں بدلنے کا مجھے حوصلہ دے! نیز اچھائی اور برائی کے فرق کو محسوس کرنے کے لیے مجھے عقل مندی کی نعمت سے نوازے۔ (آمین)

دوسروں کی تعریف کریں

جب آپ کسی کی حوصلہ افزائی کریں اور وہ اس بنا پر کوئی اچھا کام کرے تو آپ اس کی تعریف کریں وہ اور خوش ہوگا آپ یوں ہی سمجھ لیں جیسے سونے پر سہاگہ۔

ان مواقع کو ذرا یاد کیجیے اور سوچیے کہ جب دوسروں نے آپ کی تعریف کی تھی تو آپ کو کیسا محسوس ہوا تھا؟ ظاہر ہے آپ کو بہت اچھا معلوم ہوا ہوگا اور آپ ان تعریف کرنے والوں سے خوش بھی ہوئے ہوں گے، زندگی میں ہم بہت سارے کام دوسروں کے لیے کرتے ہیں مثلاً خوبصورت کپڑے پہننا اسی طرح خوبصورت گھر بنانا نئی گاڑی لینا مہمان آئے تو اس کو جس کمرے میں ہم بیٹھاتے ہیں اس کو سب سے زیادہ سجاتے ہیں اور اسی طرح جب ہم اپنے دوستوں کو کھانے پر بلاتے ہیں تو ہم اور ہماری بیگمات معمول سے زیادہ کھانے بنانے کا اہتمام کرتے ہیں ہم اس وقت خوشی سے پھولے نہیں سماتے جب کوئی ہمارے لباس اور گھر کی آرائش یا کھانے کی تعریف کرتا ہے۔

جب آپ بھی کسی کو اچھے کپڑے پہنے دیکھیں تو اس کی تعریف کریں، یار آپ اس کپڑوں میں سبحان اللہ کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدٍ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثِيَابٍ فِيهَا خَمِيصَةٌ سَوْدَاءُ صَغِيرَةٌ فَقَالَ مَنْ تَرَوْنَ أَنْ نَكْسُوَ هَذِهِ فَسَكَتَ الْقَوْمُ قَالَ ائْتُونِي بِأُمِّ خَالِدٍ فَأُتِيَ بِهَا تُحْمَلُ فَأَخَذَ الْخَمِيصَةَ بِيَدِهِ فَأَلْبَسَهَا وَقَالَ أَبْلِي وَأَخْلِقِي وَكَانَ فِيهَا عَلَمٌ أَخْضَرُ أَوْ أَصْفَرُ فَقَالَ يَا أُمَّ خَالِدٍ هَذَا سَنَاهْ وَسَنَاهْ

بِالْحَبَشِيَّةِ))❶

''ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کپڑے لائے گئے، جس میں خمیصہ بھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کسے پہناؤں؟ لوگ خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس ام خالد کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ اٹھا کر لائی گئی، آپ نے خمیصہ ہاتھ میں لے کر اس کو پہنا دی اور فرمایا کہ اللہ کرے اس کپڑے کو پرانا ہونے اور پھٹنے تک استعمال کرے (پورے طور پر اس سے کام لے) اور اس میں سبز یا زرد رنگ کے نقش ونگار تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام خالد! هذاه سناه، سناه حبشی زبان میں حسن کو کہتے ہیں، (مطلب یہ کہ اے ام خالد! یہ کس قدر حسین معلوم ہوتی ہے)۔''

واہ کیا خوبصورت لگتی ہے یہ چادر یہ آپ ﷺ کے تعریفی کلمات تھے۔

لہٰذا نبی اکرم جناب محمد ﷺ کی سنت سمجھ کر اچھے کپڑے پہنے ہوئے شخص کی تعریف کریں۔ اگر آپ کسی کے گھر بطور مہمان جائیں تو گھر میں نقص نکالنے کی بجائے میزبان کے سامنے اس کے گھر کی تعریف کریں کہ اس گھر کو رنگ کتنا خوبصورت ہوا ہے اس گھر کا نقشہ کتنا خوبصوت ہے وغیرہ وغیرہ۔

آپ اس کے لیے تعریفی کلمات کہیں اگر آپ نہایت فراخ دلی سے دوسروں کی تعریف کرنے کے عادی ہو گئے اور اگر کوئی آپ کا کام کرتا ہے تو آپ اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں، اگر آپ یہ سب کرتے ہیں تو پھر آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی کیوں کہ دنیا میں لوگ اس بات کے خواہش مند رہتے ہیں کہ انھیں اچھی حرکتوں کی داد ملے ان کی تعریف ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث پاک ہے:

((وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يَأْتُوا إِلَيْهِ))❷

---

❶ الصحيح البخاری، کتاب اللباس: ٥٨٤٥ ❷ السنن النسائی: ٤١٩٦

"جو آدمی پسند کرتا ہے کہ لوگ اس سے ملنے آئیں اسے چاہے کہ وہ لوگوں سے ملنے آئے۔"

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے اگر تو پسند کرتا ہے کہ لوگ تیری تعریف کریں تو پھر تو لوگوں کی تعریف کر۔

آپ ﷺ کا یہ خاصہ تھا کہ جب بھی آپ ﷺ کسی میں کوئی خوبی دیکھتے تو اس کی تعریف کرتے۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سچ بولتے تھے تو آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہہ کر تعریف کی، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگ میں مہارت رکھتے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو سیف اللہ کا لقب دے کر تعریفی کلمات سے نوازا، جب آپ ﷺ نے سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک امت کا امین بنایا تو آپ ﷺ نے ساتھ ہی یہ تعریفی کلمات فرمائے ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ بہادر تھے تو آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حیدر قرار کہہ کر تعریف کی اور اسی طرح سیدنا عمر کی خوبیوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے ان کو فاروق کہہ کر تعریفی موتیوں سے نوازا اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سخاوت کرتے تھے تو آپ ﷺ نے اس خوبی کو دیکھ کر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو غنی کہہ کر تعریف کی آپ ﷺ دل کھول کر اپنے ساتھیوں کی تعریف فرماتے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَعَكَ أَعْظَمُ قَالَ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَعَكَ أَعْظَمُ قَالَ قُلْتُ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ قَالَ فَضَرَبَ فِي صَدْرِي وَقَالَ وَاللَّهِ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا

الْمُنْذِرِ)) [1]

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوالمنذر! کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرے نزدیک اللہ کی کتاب میں سے سب سے بڑی آیت کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے عظیم آیت کونسی ہے میں نے کہا ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ آخر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابوالمنذر! یہ علم تجھے مبارک ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو سوال کا صحیح جواب دینے پر اپنا ہاتھ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی چھاتی پر مارا اور تعریفی کلمات بھی کہے کہ تجھے تیرا علم مبارک ہو۔

غرض:

خود آپ کے گھر والے اور دوست احباب بھی اس بات کے منتظر اور متمنی رہتے ہیں کہ ان کی اچھی باتوں اور اچھے کاموں پر آپ ان کی تعریف کریں اس طرح آپ کی شخصیت بھی دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی۔

قاعدہ:

بے وقوف تعریف سن کر پھولے نہیں سماتے جب کہ عقل والے تعریف سن کر مزید سلجھ جاتے ہیں۔

---

[1] الصحیح المسلم، کتاب الفضائل القرآن: ۱۸۸۵

دوسروں کی مذمت نہ کریں

آپ دوسروں کی تعریف کرنا سیکھیں نہ کہ مذمت کرنا کیوں کہ مذمت ایک ایسی بری چیز ہے جسے دنیا کا گندے سے گندا شخص بھی قبول نہیں کرتا بلکہ جو مذمت کرتا ہے وہ شخص اپنی سحر انگیزی کھو دیتا ہے اس لیے اگر چہ آپ کا مخاطب سراسر غلطی پر ہو لیکن وہ اپنے آپ کو ایسا ہر گز نہیں سمجھتا کسی طور پر بھی اس کی مذمت نہ کیجیے اس طرح وہ آپ کی شخصیت کو پسند نہیں کرے گا۔

اگر آپ کسی کی مذمت کریں گے اگر چہ وہ سراسر غلطی پر بھی ہو تو وہ شخص آپ کی بھی مذمت کرے گا چاہے آپ حق بات پر بھی ہوں، دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝﴾ (الانعام: ۶/۱۰۸)

’’اور انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، پس وہ زیادتی کرتے ہوئے کچھ جانے بغیر اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے ان کا عمل مزین کر دیا ہے، پھر ان کے رب ہی کی طرف ان کا لوٹنا ہے تو وہ انھیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔‘‘

کچھ لوگ دوسروں کی غلطیوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی غلطی جو شاید خورد بین میں بھی نظر نہ آئے اس پر دوسروں کی مذمت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسا کر کے دوسروں کے قریب ہو جائیں گے اور ان پر رعب جمالیں گے جب کہ درحقیقت مذمت کرنا

سمجھ داری اور ذہانت نہیں بلکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دوسروں کی غلطیوں پر مذمت کرنے سے بچیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کسی ایک شخص کی بھی مذمت نہیں کی دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوهُ ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصُبَّ عَلَيْهِ))[1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی مسجد میں پیشاب کرنے لگا، لوگ اس کی طرف دوڑے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو پیشاب کرنے سے نہ روکو، پھر ایک ڈول پانی منگوایا اور اس پر بہا دیا۔''

سبحان اللہ نبی ﷺ نے اس دیہاتی کی مذمت نہیں کی بلکہ مذمت کرنے والوں کو بھی روک دیا اور جب وہ بدو پیشاب سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے پانی کا ڈول منگوا کر اس جگہ پر بہا دیا اور بدو کو بلا کر آپ ﷺ نے پیار سے سمجھا دیا کہ یہ جگہ پیشاب کرنے کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی ہے۔

اس طرح کے بے شمار واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں سے مل جائیں گے جن میں اس بات کا ثبوت ہوگا کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کی مذمت نہیں کی۔

مذمت کا حکم:

مسلمان پر ظلم کرنا اور اس کی مذمت کرنا حرام ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا

[1] الصحيح البخاري، كتاب الادب ٦١٢٥

يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ التَّقْوَى هَاهُنَا وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ))[1]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر پورا حرام ہے اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔“

اگر آپ اپنی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بنانا چاہتے ہیں تو پھر اس حدیث میں جن کاموں سے روکا گیا ہے رک جائیں۔ نبی اکرم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر مکہ کو فتح کرنے کے لیے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر چڑھے اور فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ))[2]

”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ

---

[1] الصحيح المسلم، كتاب البر والصلة: ٦٥٤١

[2] الصحيح المسلم، كتاب الجهاد: ٤٦٢٤

بھی مامون ہوگا اور جو اپنا دروازہ بند کر لے وہ بھی بحفاظت رہے گا۔''

یہ سن کر لوگ چلے گئے لیکن قریش کے چند جنگجوؤں نے اسلامی لشکر سے لڑنا چاہا لیکن قریش نے انھیں روک دیا اور ان کے کچھ افراد خندمہ نامی ایک مکان میں جمع ہوئے صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہل بن عمرو بھی ان لوگوں میں شامل تھے انھوں نے لڑائی کی تیاری کے لیے اور لوگوں کو بھی خندمہ میں اکٹھا کیا اسلامی لشکر کے مکہ میں آنے سے پہلے حماس بن قیس اپنا اسلحہ مرمت کیا کرتا تھا ایک دن اس کی بیوی نے پوچھا تم یہ تیاری کیوں کر رہے ہو؟

حماس بن قیس نے جواب دیا ''محمد اور اس کے ساتھیوں کے لیے''

بیوی نے کہا ''واللہ! مجھے نہیں لگتا کہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے میں کوئی ٹھہر سکے گا''

حماس بن قیس نے جوش میں آ کر کہا ''واللہ! مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے بعض کو تمھارا خادم بنا دوں گا''

پھر انھوں نے سینا پھیلا کر یہ رجز پڑھا:

اَنْ یُقْبِلُوْا الْیَوْمَ فَمَا لِیْ عِلَّةَ
ھٰذَا سِلَاحٌ کَامِلٌ وَ أَلَّه
وَذُوْ غِرَارَیْنِ سَرِیْعٌ اَلسَّلَة

''اگر وہ آج بھی آ جائیں تو مجھے کیا علت ہے؟ یہ مکمل اسلحہ بڑا ہے چوڑے پھل کا نیزہ اور تیزی سے سونتی جانے والی دو دھاری تلوار بھی تیار ہے۔''

حماس بن قیس گھر سے نکل کر خندمہ گیا جہاں اس کے ساتھی جمع تھے جلد ہی ان کا سامنا مسلمانوں کے لشکر سے ہوا جس کی کمانڈر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے لڑائی شروع ہوئی ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے چند ہی منٹوں میں مشرکین کے بارہ تیرہ آدمی ڈھیر ہو گئے حماس بن قیس نے یہ صورت دیکھی تو صفوان اور عکرمہ کی طرف متوجہ ہوا وہ دونوں خود پسپائی اختیار کر کے بھاگ نکلے حماس بن قیس بھی بھاگا اور اپنے گھر میں جا گھسا اس نے چلا کر بیوی

سے کہا دروازہ بند کر دو وہ کہہ رہے ہیں جو دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھ رہا اسے امان ہے بیوی بولی وہ ڈیلنگ کیا ہوئی تھی کہ انھیں شکست دے کر میرا خادم بناو گے؟

حماس نے بے ساختہ کہا :

إِنَكِ لَوْ شَهِدَتِّ يَوْمَ الْخَنْدَمَةِ
اِذْ فَرَّ صَفْوَانُ وَ فَرَّ عِكْرَمَةُ

''تم خندمہ کے دن موجود ہوتی جب صفوان اور عکرمہ سر پہ پاوں رکھ کر بھاگ گئے۔''

وَاَبُوْ يَزِيْدَ قَائِمٌ كَالْمُوْتِمَةِ
وَاسْتَقْبَلَتِهِمْ بِالسُّيُوْفِ الْمُسْلِمَةِ

''ابو یزید (سہل بن عمرو) یتیموں کے بے چاری ماں کی طرح کھڑا تھا اور تمھارا ان سے سامنا ہوتا ان کے ہاتھ میں ایسی تلواریں تھی۔''

يَقْطَعْنَ كُلَّ سَاعِدٍ وَ جُمْجَمَةَ
فَرْباً فَلَا يُسْمَعُ اِلَّا غَمْضَمَه

''جو بازو اور کھوپڑیاں کاٹ کاٹ کر پھینکی جاتی تھیں وہاں صرف بہادروں کی ہاو ہو سنائی دیتی تھی۔''

لَهُمْ لَهِيْتُ خَلْفَنَا وَ هَمْهَمَه
لَمْ تَنْطِقِى فِى اللَّوْمِ اَدْنٰى كَلِمَه

''وہ ہمارے تعاقب میں آئے ان کے سینوں سے ایسی آوازیں آ رہیں تھیں جیسے شیر جوش غضب میں ہانپتا ہے اس دن تم موجود ہوتی تو ملامت کا ایک لفظ نہ کہتی۔''

حماس بن قیس کی یہ بات بالکل درست تھی اس کی بیوی نے لڑائی کی شدت و تکلیف نہیں دیکھی تھی اگر وہ دیکھ لیتی تو واقعی ہی وہ کبھی مذمت کا ایک لفظ نہ کہتی۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کی مذمت کرنے سے پہلے خود کو مخاطب کی جگہ رکھ کر

سوچیے ۔اگر آپ اپنے دل سے یہ سوال کریں گے۔

اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میرے احساسات اور ردعمل کیا ہوتا ؟ تو آپ کا کام آسان ہو جائے گا اور آپ فضول کوفت سے بھی بچ جائیں گے کیوں کہ ہمیں وجہ پسند ہوتو ہم نتیجے کو بھی پسند کریں گے اس کے علاوہ آپ کی اپنی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو جائے گی ایک منٹ کے لیے توقف کیجیے ذرا ٹھہر کے غور کیجئے، کہ آپ اپنے معاملات میں کتنی گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں دوسروں کے معاملات کو کس طرح سرسری نظر سے دیکھتے ہیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ دنیا کا ہر شخص آپ ہی کی طرح سوچتا ہے تو جب آپ اپنے کسی معاملے میں مذمت پسند نہیں کرتے تو بالکل اسی طرح کوئی دوسرا بھی اپنے کسی معاملے میں دوسروں کی مذمت پسند نہیں کرتا۔

ذرا غور کیجئے!

بعض مشکلات کا حل نہیں ہوتا اس لیے اگر کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کے نقطہ نظر پر غور کیے بغیر اس کی مذمت کرنا اچھی بات نہیں اس سے آپ کا کردار متاثر ہو سکتا ہے اور اس سے آپ کی ذات دوسروں کے لیے پسندیدہ نہیں بن سکتی ہے۔

دوسروں کی بات مت کاٹیں

اگر آپ کسی سے باتیں کر رہے ہیں تو جب وہ بات کر رہا ہو تو اس کی گفتگو کو درمیان میں مت کاٹیں اور اگر آپ نے یہ عمل اسی مجلس میں بار بار دوہرایا یعنی اس کی بار بار بات کاٹی تو وہ آپ کی شخصیت سے متنفر ہو جائے گا اور اگر آپ اپنی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بنانا چاہتے ہیں تو پھر دوسروں کی گفتگو کو سننے کے لیے اپنے اندر تحمل و بردباری پیدا کریں کیوں کہ بعض لوگ ایسے ملیں گے کہ جب تک وہ اپنے امنڈتے ہوئے خیالات کو اگل نہیں دیتے وہ آپ کی بات پر ہرگز کان نہیں دھریں گے۔

حضرت محمد ﷺ کے پاس جو کوئی بھی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ [1]

ام معبد رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے حلیہ کے بارے میں یوں بیان کرتی ہیں کہ

جب نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ (غلام حضرت ابوبکر صدیق، رضی اللہ عنہ دلیل راہ) اور راہ نما عبداللہ بن اریقط دیلی۔ ام معبد رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور اس سے پوچھا آیا آپ کے ہاں دودھ یا گوشت ہے جو وہ خرید لیں اس کے پاس خورد و نوش کا سامان نہ تھا اور اس نے عرض کی اگر ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہوتا تو آپ کی مہمان نوازی گراں نہ گزرتی یہ لوگ قحط زدہ تھے۔

نبی کریم ﷺ نے اس کے خیمے کے گوشہ میں ایک بکری دیکھ کر کہا اے ام معبد! یہ بکری

---

[1] الرحیق المختوم، ص: ٦٣١

کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا ناتوانی اور کمزوری کی باعث ریوڑ میں نہ جاسکی آپ نے پوچھا کیا اس کے دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟ تو اس نے کہا اگر دودھ ہو تو بصد شوق دوھ لیجئے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کو منگوایا اور بسم اللہ پڑھ کر اس پر ہاتھ پھیرا پھر اس نے اس قدر دودھ دوہنے کا ذکر کیا جو سب کے لیے کافی تھا بعدازاں پھر اس کو دھویا اور اس کے پاس دودھ سے لبالب بھرا ہوا برتن چھوڑا جو ایک خاندان کو کافی تھا جب اس کا شوہر آیا تو وہ دودھ دیکھ کر حیران رہ گیا اور پوچھا اے ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا ہے بکریاں جنگل میں تھیں گھر میں کوئی دودھیل جانور نہ تھا۔

اس نے عرض کیا واللہ! ہمارے پاس سے ایک بزرگ اور مبارک شخص گزرا ہے اس کی ایسی ہیبت اور کیفیت ہے، تو اس نے کہا میں نے اس آدمی کو دیکھا ہے حسن و جمال اور خوش کلامی کا پیکر ہے، خوبصورت حسین ہے، آنکھیں سرگیں ہیں، پلکیں لمبی ہیں، آواز بھاری ہے، کالی آنکھ سرمیلی ابرو، تیکھے باہمی ملے ہوئے، دراز گردن، گھنی داڑھی، خاموش ہو تو پروقار، گویا ہو تو مجلس پر چھا جائے، چہرہ پر رونق اور خوبصورت شیریں کلام، گفتگو متوازن نہ کم نہ بیش گویا وہ موتیوں کا ہار ہے جو یکے بعد دیگرے جھڑ رہے ہیں، لوگوں سے حسین تر اور سب سے حسین و جمیل قریب سے شیریں کلام اور خوش گفتار میانہ قامت ہے، طوالت آنکھ کو ناگوار نہیں گزرتی اور کوتاہ قامت کہ وہ آنکھ میں نہ جچے، وہ شاخوں اور ٹہنیوں کے درمیان سرسبز شاخ میں سب سے تروتازہ اور حسین قامت، رفقاء اس کو گھیرے ہوئے ہیں، بات کرے تو کان لگا کر سنتے، (یعنی گفتگو کا یہ اسلوب ہے کہ جب کوئی بات کرے تو کان لگا کر اس کی بات سنی جائے اور یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا) حکم دے تو لپک کر تعمیل کرتے ہیں اور حکم بجالاتے ہیں مخدوم اور مرجع خلائق نہ ترش رو نہ حواس باختہ اور فاتر العقل۔ [1]

کسی کی بات کو درمیان میں سے نہ کاٹنا اور کان لگا کر بات کو غور سے سننا یہ نبی کریم ﷺ

[1] سیرت النبی ﷺ لامام حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر: ۳۲۳/۳

اور صحابہ ؓ کا طریقہ تھا لیکن اس کے برعکس کلام کو کاٹنا اور کان لگا کر بات کو غور سے نہ سننا یہ ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے۔ دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴾

(حم السجدہ : ٤١/٢٦)

''اور ان لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور کرو، تاکہ تم غالب رہو۔''

یعنی کافروں کا یہ شیوہ تھا کہ جب بھی نبی ﷺ کوئی بات یا قرآن کی تلاوت کرتے تو وہ اس کے درمیان شور وغوغا یعنی بات کو کاٹنے کی کوشش کرتے جنھوں نے اللہ کے پاک کلام کو درمیان سے ٹوکنے کی جرات کی اللہ نے بھی ان جیسے لوگوں کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔

یاد رکھیے! بالکل اسی طرح انسان بھی اس آدمی کی شخصیت کو پسند نہیں کرتا جو کوئی اس کی بات کو ٹوکے اگر آپ کو اس کی کسی بات سے اتفاق نہ ہو تو آپ ہرگز مداخلت نہ کریں یہ خطرناک ہے کیوں کہ اس حرکت سے آپ کی شخصیت کی سحر انگیزی ختم ہو جائے گی۔

فرانسیسی فلسفی لاروش کا قول ہے:

''اگر آپ دشمن کو چاہیں تو اپنے دوستوں پر سبقت لے جانے کی کوشش کیجیے اگر آپ دوست چاہتے ہیں تو اپنے دوستوں کو لے جانے دیجیے''

یہ بات کیوں سچی ہے؟ شاید آپ کے بعض دوست آپ کی کامیابیوں کی بجائے آپ کی ناکامیوں پر زیادہ خوش ہوتے ہیں، لہٰذا ہمیں اپنے کارناموں کا بہت کم تذکرہ کرنا چاہیے یعنی ہم کم بولیں اور دوسروں کو بولنے دیں ہمیں اعتدال پسند اور منکسر المزاج ہونا چاہیے کیوں کہ ہم اور آپ کوئی مستقل چیز نہیں ہم سب چل بسیں گے زندگی بہت مختصر ہے پھر اسے ہم دوسروں کے سامنے اپنی بڑائی میں کیوں ضائع کریں۔

میری دادی اماں گھر کے تمام افراد سے زیادہ پیار اپنی پوتی سے کرتی ہیں پتا کیوں؟ اس

لیے کہ وہ ہر رات دادی اماں کے قریب بیٹھتی ہے اور دادی اماں کی ٹانگیں دباتی ہے اس کے ساتھ ساتھ کان لگا کر دادی اماں کی تمام باتیں سنتی ہے اس وجہ سے دادی اماں اس سے بہت پیار کرتی ہیں۔

اگر آپ اپنی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بنانا چاہتے ہیں تو پھر دوسروں کو بولنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیجئے یوں آپ خود بھی پرکشش ہو جائیں گے۔

4
ملاقاتی کو مختلف اینگل سے سمجھنا

- ملنے والے کی فطرت کا ادراک
- دوسروں کی خواہش کا احترام
- اللہ کی مخلوق سے محبت کریں
- دوسروں میں بڑائی کا احساس پیدا کریں
- دوسروں کی پردہ پوشی کریں
- تنقید کا خوبصورت انداز
- دوسروں کو احسان کا جھولا جھولائیں
- دوسروں سے خیر خواہی کا معاملہ

ملنے والے کی فطرت کا ادراک

آپ جب کسی سے ملیں یا ان سے کوئی معاملہ طے کریں تو اس سلسلے میں ان کی فطرت کا ادراک کرنا ضروری ہے، کیوں کہ زندگی میں انسان مختلف حالات سے گزرتا رہتا ہے کبھی خوشی تو کبھی غم، کبھی امیری تو کبھی غریبی، کبھی تندرستی تو کبھی بیماری اور کبھی سکون تو کبھی بے قراری یہ سب بدلتی ہوئیں صورتیں انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔

اس لیے اگر آپ انسانی فطرت کے ادراک کا علم رکھتے ہیں تو آپ ہمدردی اور مفاہمت ان دونوں خوبیوں کو حاصل کر سکتے ہیں نفسیات کی بدولت آپ خود اپنے آپ کو بھی سمجھنے لگیں گے اور دوسروں کو بھی اس سے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

فرض کریں آپ کسی ایسے شخص کو ملتے ہیں جو فقر و فاقہ میں گھرا ہوا ہے اس کے پاس روزی کا بھی کوئی ذریعہ نہیں اور وہ اس درپیش مسئلے سے بہت پریشان ہے اب آپ اس کی فطرت کا ادراک کرتے ہوئے اس کو تسلی اور حوصلہ دیجیے کہ بھائی اللہ تعالیٰ رازق ہے، اسی نے آپ کو پیدا کیا ہے تو وہ آپ کو رزق بھی ضرور دے گا اور اس طرح کا رویہ ہرگز نہ اپنائیں جس سے اس کو اور زیادہ پریشانی ہو مثلاً آپ کہیں کہ یار میرا کاروبار بہت اچھا ہے، میرے پاس بہت مال و دولت ہے، میں تو ہر روز اپنے بیوی بچوں کو سیر کے لیے لے کر جاتا ہوں اور ہم تو بعض اوقات کھانا بھی باہر کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یقیناً وہ بے چارہ آپ کی یہ سب مصروفیات سن کر اور زیادہ پریشان ہو جائے گا کیا ایسے بے روزگار آدمی کے سامنے ایسی باتیں زیر بحث لانا ضروری تھیں جو خود کاروباری زندگی کی ناکامی سے دوچار ہوا ہے تو اب آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ آپ سے تعلق بڑھائے گا؟ کیا وہ

آپ کے پاس بیٹھنا پسند کرے گا یا پھر وہ آپ سے دوبارہ ملنے میں خوشی محسوس کرے گا؟ ان سوالات کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔

فرض کریں آپ کسی بیمار کی بیمار پرسی کے لیے جاتے ہیں اس کو تسلی دینے کی بجائے آپ کہنا شروع ہو جاتے ہیں کہ اس طرح کی بیماری ہمارے محلے میں ایک آدمی کو لگی تھی وہ تو نہیں بچا آپ اس طرح کی باتیں کر کے اس کی نفسیات کو اور مجروح کر رہے ہیں کیا اس حال میں جب آپ اس کو اذیت دے رہے ہیں کیا وہ کبھی دوبارہ آپ کے آنے کا انتظار کرے گا؟ ان سب سوالوں کا جواب یقیناً نفی میں ہے، یاد رکھیے! اس سے آپ کی ذات دوسروں کے لیے قابل نفرت ہوگی۔

اس لیے تو نبی اکرم جناب محمد ﷺ نے لوگوں کی فطرت اور ان کے احساسات کا ادراک کرنے کا حکم دیا:

آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وسَلَّمَ قَالَ لاَ تُدِيمُوا النَّظَرَ إِلَى الْمَجْذُومِينَ))[1]

"سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جزامیوں کی طرف برابر مت دیکھے جاؤ۔"

کیونکہ زیادہ دیکھنے سے مریض کے دل میں وسوسے پیدا ہوں گے اور اگر کبھی کسی آفت رسیدہ پر نظر پڑ جائے تو یوں کہے:

((عَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى صَاحِبَ بَلَاءٍ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا))[2]

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الطب : ٣٥٤٣

[2] جامع ترمذي، كتاب الدعوات : ١٣٥٧/٢۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو مصیبت و آزمائش میں مبتلا دیکھ کر یہ کلمات کہے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی عَافَانِی مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِی عَلَى كَثِیرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیلًا۔'' (تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں۔ جس نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی اکثر مخلوق پر فضیلت دی)۔''

کوڑھ یا جزام بے حد خبیث مرض ہے اس سے متاثرہ افراد کی جلد انتہائی بھدّی اور غلیظ ہو جاتی ہے اس لیے یہ کسی طور پر مناسب نہیں کہ کوڑھی لوگوں کے درمیان آئے تو وہ اسے گھور گھور کر دیکھتے رہیں یوں اسے اپنی مصیبت یاد آئے گی اور وہ غم زدہ ہو جائے گا اور اس طرح وہ کبھی بھی آپ کی شخصیت کو پسند نہیں کرے گا اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کے گرویدہ ہوں تو پھر دوسروں کی فطرت کا ادراک کریں۔

دوسروں کی فطرت کے ادراک کے لیے بہترین مثال یہ ہے:

ٹیلر ماسٹر کو جب آپ کوٹ سلائی کرنے کے لیے دیتے ہیں تو وہ آپ کے جسم کا ناپ لیتا ہے ناپ لینے کا مقصد آپ کے جسم کی بناوٹ کا اندازہ کرنا ہے تاکہ کوٹ آپ کے جسم پر بالکل فٹ آجائے اس میں کہیں شکن یا جھول نہ ہو مگر ٹیلر ماسٹر جسم کے جن چند حصوں کا ناپ لیتا ہے اتنا ہی علم ایک کامیاب کوٹ تیار کرنے کے لیے کافی نہیں ایک صحیح کوٹ تیار کرنے کے لیے ٹیلر ماسٹر کو بہت سی اور باتیں بطور خود جاننی پڑتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کے نشیب و فراز اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس کے ہر حصے کا مکمل ناپ لیا جاسکے ایک ٹیلر ماسٹر جسم کے جن حصوں کا ناپ لیتا ہے۔ اگر اس کی واقفیت بس اتنی ہی ہو تو وہ کبھی ایک معیاری کوٹ تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

بالکل اسی طرح اگر آپ میرا نام جانتے ہیں میرے باپ کے نام سے واقف ہوتے ہیں اور میرے گھر کا ایڈریس بھی آپ معلوم کرتے ہیں تاکہ آپ میرے ساتھ دوستی کر سکیں تو یاد رکھیے کامیاب دوستی کے لیے اتنا ہی علم کافی نہیں، ایک کامیاب دوستی کے لیے آپ کو بہت

سی اور باتیں بطورِ خود جاننی پڑتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے نشیب وفراز اس سے کہیں زیادہ ہیں اس لیے آپ کو میری فطرت کا ادراک کرنا ہوگا اور مجھے آپ کی فطرت کو جاننا ہوگا تا کہ ہماری دوستی کامیاب اور نہ ختم ہونے والی چیز بن جائے۔

اور جب کسی میں یہ فن آ جاتا ہے تو اس کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو جاتی ہے شاید یہ ہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ دوسروں کی نفسیات کا ادراک کر لیتے تھے۔

((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللَّهِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اللَّهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ))[1]

''حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی ﷺ کے زمانے میں جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا اور رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا اور نبی ﷺ نے اس کو شراب پینے کے سبب کوڑے لگوائے تھے ایک دن پھر نشہ کی حالت میں لایا گیا آپ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا تو اس کو کوڑے لگائے گئے، قوم میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، کس قدر یہ (نشہ کی حالت میں) لایا جاتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں (یعنی میں اس کی فطرت کا ادراک رکھتا ہوں) کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔''

اس صحابی رسول کا شراب پی کر مار کھانا اس بات کی دلیل تھوڑی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے

[1] الصحیح البخاری، کتاب الحدود : ٦٧٨٠

رسول سے محبت نہیں کرتا نبی ﷺ نے فرمایا میں اس کی نفسیات کو جانتا ہوں وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اس لیے ہی تو یہ بدوی میرے پاس آ کر مجھے ہنساتا ہے خبردار اس پر لعنت مت کرو اللہ اکبر نبی کریم ﷺ کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی رکھی تھی کہ آپ ﷺ لوگوں سے ان کی نفسیات اور احساسات کے لحاظ سے گفتگو کرتے تھے اس لیے تو آپ ﷺ کی ذات بابرکت تمام لوگوں کے لیے پسندیدہ تھی جو ایک بار آپ ﷺ کو مل لیتا وہ آپ ﷺ کا ہی ہو کر رہ جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے ادراک کے لیے اپنے قرآن میں ایک پوری سورت نازل فرما دی:

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ ﴾

(الماعون : ۱۹۷/۱ تا ۷)

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو جزا کو جھٹلاتا ہے۔ تو یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور عام برتنے کی چیزیں روکتے ہیں۔"

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی نفسیات کا لحاظ رکھنے پر زور دیا ہے فرض کریں اگر آپ کے پڑوس میں یتیم بچہ رہتا ہے جس کی ماں لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنا اور اپنے یتیم بچے کا بامشکل گزارا کرتی ہے اور وہ یتیم بچہ اکثر آپ کے بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے ایک دفعہ یوں ہوا کہ عید الفطر کی آمد آمد تھی آپ نے اپنے بچوں کے لیے کپڑے جوتے اور کچھ باقی چیزیں خریدی لیکن جب آپ گھر پہنچتے ہیں وہ ہی یتیم بچہ آپ کے گھر میں آپ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا آپ نے اپنے بچوں کو آواز دی بکر!، زید! اور عمر!، بیٹوں ادھر آؤ دیکھو میں

آپ لوگوں کے لیے کیا لایا ہوں تو وہ یتیم بچہ بھی آپ کے بچوں کے ساتھ آپ کے پاس آ جاتا ہے اور آپ اس یتیم بچے کے سامنے ہی اپنے بچوں سے کہتے ہیں بیٹا زید! یہ تمھارا سوٹ اور جوتا ہے۔ بکر! یہ تمہارا سوٹ اور جوتا ہے اور عمر! یہ آپ کا سوٹ اور جوتا ہے، بچوں بتاؤ تم لوگوں کو اپنا اپنا سوٹ اور جوتا کیسا لگا سب ایک زبان کہتے ہیں ابو جی بہت اچھے ہیں کیا اب آپ نے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ٹھہر کر سوچا ہے کہ اس یتیم بچے پر کیا گزر رہی ہے اب یہ یتیم بچہ جو اپنی آنکھوں سے سارا منظر دیکھ رہا تھا فوراً اپنے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں سے کہتا ہے امی جی! دیکھو نا زید اور عمر کے ابو نے ان کو سوٹ اور جوتے لا کر دیے ہیں امی جان مجھ کو بھی لا کر دیں ماں کہتی ہے کہ بیٹا میرے پاس پیسے نہیں ہیں بچے کا اتنا سننا ہوتا ہے کہ وہ اونچی اونچی رونا شروع کر دیتا ہے اور زمین پر لیٹنا شروع کر دیتا ہے اور ماں بچے کو تڑپتا دیکھ کر خود تڑپ جاتی ہے اور روتی ہوئی اپنے بچے کو تسلی دیتی ہے اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ یتیم کی فطرت کا ادراک نہ رکھنے والا یقیناً آخرت کے دن کا انکاری ہے۔

فرمان سعدی رحمہ اللہ :

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بھی کیا خوب کہا ہے:

چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش

مدہ بوسہ بروئے فرزند خویش

یتیمر ار بگرید کا نازش خرد

وگر خشم گیرد کہ بارش برد

الا تانگریدکہ عرش عظیم

بلرز دھمی چوں بگرید یتیم[1]

جب تو کسی یتیم بچے کو سامنے سر جھکائے دیکھے تو اپنے بچے کو رخسار پر بوسہ نہ دے یتیم اگر روتا ہے اس کا ناز کون اٹھاتا ہے اگر وہ غصہ کرتا ہے تو اس کا بوجھ کون برداشت کرتا ہے خبر

[1] بوستان سعدی، باب دار احسان: ۱۰۹

دار! وہ رونہ پڑے اس لیے کہ عرش عظیم لرز جاتا ہے جب یتیم روتا ہے۔

اس لیے شریعت اسلامیہ میں کہیں تو یتیم بچوں کی فطرت کے ادراک کے بارے میں تو کہیں مسکینوں کی فطرت کے ادراک کے بارے میں تو کہیں ضرورت مندوں کی فطرت کے بارے میں زور دیا گیا ہے۔

جان لیجیے!

جب آپ یہ جان لیں گے تو پھر آپ ان کی غلطیوں پر زیادہ ناراض بھی نہیں ہوں گے اور یوں آپ اعتراض کرنے کی بجائے ان لوگوں کی امداد پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔

تنقید کا خوبصورت انداز

خوبصورت انداز میں آپ اسی وقت تنقید کر سکتے ہیں جب آپ کو کسی دوسرے کی فطرت کا ادراک ہوگا اگر آپ کسی دوسرے کی نفسیات کو نہیں جانتے تو آپ اچھے طریقے سے تنقید نہیں کر سکتے پھر بھی بہتر تو یہی ہے کہ دوسروں پر تنقید سے مکمل اجتناب کریں کیوں کہ اس سے آپ کی شخصیت متاثر ہو سکتی ہے یہ فطری بات ہے کہ کوئی بھی تنقید کو پسند نہیں کرتا لیکن آپ نکتہ چینی کے انداز میں تھوڑی سی چینی ملا دیں تو آپ کی عزت برقرار رہ سکتی ہے اور دوسرا شخص بھی اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔

((عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَى رُؤْيَا قَصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَمَنَّيْتُ أَنْ أَرَى رُؤْيَا فَأَقُصَّهَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْتُ غُلَامًا شَابًّا وَكُنْتُ أَنَامُ فِي الْمَسْجِدِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَخَذَانِي فَذَهَبَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَإِذَا لَهَا قَرْنَانِ وَإِذَا فِيهَا أُنَاسٌ قَدْ عَرَفْتُهُمْ فَجَعَلْتُ أَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ النَّارِ قَالَ فَلَقِيَنَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي لَمْ تُرَعْ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللَّهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنْ

اللَّيْلِ فَكَانَ بَعْدُ لَا يَنَامُ مِنَ اللَّيْلِ إِلَّا قَلِيلًا))[1]

''سیدنا سالم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے وقت میں لوگ جب کوئی خواب دیکھتے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کرتے۔ مجھے تمنا تھی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھتا، تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کرتا اور میں ایک جوان لڑکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں میں مسجد نبوی میں سوتا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا دو فرشتوں نے مجھے پکڑا اور مجھے جہنم کی طرف لے گئے اور وہ پیچ دار کنویں کی طرح تھی، جس کے دو ستون تھے اور اس میں کچھ لوگ تھے جن کو میں نے پہچان لیا تھا، میں جہنم سے اللہ کی پناہ مانگنے لگا، پھر مجھ سے ایک دوسرا فرشتہ ملا اور مجھ سے کہا کہ مت ڈرو۔ پھر قصہ کو میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کیا ہی اچھا آدمی ہے کاش وہ رات کی نماز (نفل) پڑھا کرتا چنانچہ اس کے بعد وہ رات کو بہت ہی کم سویا کرتے تھے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس خواب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رات میں غفلت کی نیند پر محمول فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنقید بھی کی تو کیا خوب صورت انداز میں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے تعریفی کلمات کہے وہ کلمات یہ کہ ''وہ بہت ہی اچھے آدمی ہیں'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنقید فرمائی کہ ''اتنی کسر ہے کہ رات کو نماز تہجد نہیں پڑھتے'' اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی تہجد کی نماز نہیں چھوڑی اس سے معلوم ہوا کہ جب تنقید خوبصورت انداز میں کی جائے تو یقیناً دوسرا اپنی اصلاح کرسکتا ہے اور اب آپ ہی بتائیے کہ ایسے انسان کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ نہ ہو گی؟ کیا آپ ایسے انسان سے محبت نہیں کریں گے؟

یقیناً آپ ایسے انسان کو پسند بھی کریں گے اور اس سے محبت بھی کریں گے۔

---

[1] الصحیح البخاری، کتاب التھجد: ۱۱۲۱-۱۱۲۲

ایک عالم نفسیات کا قول ہے کہ جب کسی پر تنقید کی جاتی ہے تو اس کی انا کو مس کیا جاتا ہے تو وہ برتر انا بن جاتا ہے اور اس کا نتیجہ ہے فساد۔

یہ بات بالکل ٹھیک ہے، کیونکہ الفاظ ہماری انا کو مجروح کر سکتے ہیں اور الفاظ ہی ہمارے دلوں میں شمعیں روشن کر سکتے ہیں اسی طرح الفاظ ہمیں اچھی بری کیفیت میں لے جا سکتے ہیں درست الفاظ کے ذریعے ہم دوسروں سے اپنی مرضی کا کام لے سکتے ہیں۔

نبوت کا ابتدائی دور تھا لوگ دین اسلام قبول کرنے میں تردد کا شکار تھے کوئی ساتھ ملتا تھا تو کوئی نہیں ملتا تھا، مدینہ میں ایک سوید بن صامت نامی آدمی تھا جو دانش ور اور شاعر تھا قوم کے اشراف میں اس کا شمار ہوتا تھا پرانے لوگوں کا کلام اسے یاد تھا کہا جاتا ہے کہ لقمان حکیم سے روایت کردہ تمام اقوال اسے ازبر تھے اس کے لیے لوگوں کی پسندیدگی کا عالم یہ تھا کہ وہ شجاعت بہادری شرف اور حسب ونسب کے افتخار کے باعث اسے ''کامل'' کے لقب سے یاد کرتے تھے ایک روز سوید بن صامت حج یا عمرہ کرنے مکہ آیا لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ ٹولیوں کی شکل میں اس کی زیارت کرنے نکلے نبی ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ بھی آئے اسے اللہ کی طرف بلایا اسلام قبول کرنے کی دعوت دی توحید و رسالت کے بارے میں بتایا کہ میں نبی ہوں مجھ پر قرآن کی وحی کی جاتی ہے قرآن اللہ کا کلام ہے۔

سوید نے کہا: غالباً آپ ﷺ کے پاس جو کلام ہے وہ اسی کلام جیسا ہے جو میرے پاس ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: ''آپ کے پاس کیا ہے؟''

سوید بولا: ''میرے پاس لقمان کی حکمت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے نرمی سے کہا: ''وہ مجھے سناؤ۔''

سوید نے لقمان حکیم کا کلام پڑھنا شروع کیا رسول اللہ ﷺ نہایت اطمینان سے سنتے رہے سوید کی بات اختتام کو پہنچی تو رسول اللہ ﷺ گویا ہوئے۔

''یہ کلام واقعی بہت عمدہ ہے''

لیکن جو کلام میرے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا وہ ہدایت اور نور ہے یہ کہہ کر آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت کی سوید خاموشی سے سنتا رہا۔ تلاوت ختم ہوئی سوید خاصا متاثر ہوا اس نے کہا یہ باتیں واقعتاً لاجواب ہیں۔ ❶

بے جا تنقید کرنا یہ نفاق کی علامت ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جنگ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی آپ ﷺ نے اقرع بن حابس کو سو اونٹ مرحمت فرمائے، عیینہ بن حصن کو بھی اتنے ہی اونٹ عطا فرمائے عرب کے بعض سرداروں کو بھی آپ ﷺ نے خوب دیا ایک آدمی کہنے لگا اللہ کی قسم! اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا اور نہ اس سے اللہ تعالیٰ کے رضامندی مقصود تھی میں نے کہا میں نبی کریم ﷺ کو یہ بات ضرور بتاؤں گا میں نے جا کر آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَنْ يَعْدِلُ إِنْ لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ قَالَ ثُمَّ قَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ)) ❷

''اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرتے تو کون انصاف کرے گا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے انھیں اس سے زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا مگر انھوں نے صبر کیا۔''

بے جا کسی کو تنقید کا نشانہ بنانا جاہل اور منافق کا کام ہے جس طرح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منافق نے رسول اللہ ﷺ کو تنقید کا یہ کہہ کر نشانہ بنایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ (نعوذ باللہ)

سوال یہ ہے کہ آدمی کب دوسروں کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے؟ جب وہ اس کی غلطی کی تلاش

❶ البداية والنهاية: ١٤٥/٢

❷ فتح الباري: ٤٩/٨

میں رہتا ہے اور خود کو حاجی ثناء اللہ سمجھتا ہے، یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ غلطی صرف دوسرے سے ہی ہوتی ہے مجھ سے تو غلطی ہوتی ہی نہیں۔

یاد رکھیے!

اگر آپ کسی دوسرے کے گناہوں کی کھوج میں رہتے ہیں تا کہ اس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنا سکیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو وہاں ذلیل وخوار کرے گا جہاں آپ کی عزت ہوگی۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

برا سمجھوں انھیں مجھ سے یہ ہو نہیں سکتا
میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنی نکتہ چینیوں میں

اس لیے بھائیو! ہمیں کسی کی غلطی پر تنقید کا خوبصورت انداز اپنانا چاہیے کیوں کہ ہم بھی اس غلطی میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

تنقید کرنے والے کو جلدی کوئی چیز پسند آ جائے تو یہ ناممکن ہے پھلوں کی دکان پر جاتا ہے دکان میں ہر قسم کا پھل موجود ہے وہ پوچھتا ہے یہ امرود کانے تو نہیں دکان دار جواب دیتا ہے جی نہیں۔

پھر وہ امرود کو کاٹتا ہے تو وہ اندر سے خراب نکل آتا ہے۔

وہ غصے میں آ کر کہتا ہے کہ تو تو کہتا تھا کہ امرود کانے نہیں ہیں؟ لیکن دیکھ یہ تو کانا نکل آیا ہے جھوٹ بول کے سودا بیچتا ہے! تجھے شرم نہیں آتی! وہ یہ بھول جاتا ہے کہ دکان دار نے کون سا امرود خود بنایا ہے اور بے شمار اور بھی امرود پڑے ہوئے ہیں کوئی اور اٹھا لے مگر کبھی وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ بعض لوگوں کا مقصد ہی تنقید کر کے دوسروں کو زچ کرنا ہوتا ہے۔

مثلاً مزیدار کھانے میں انھیں صرف وہ بال نظر آتا ہے جو اچانک گر پڑا تھا خوبصورت چہرے میں انھیں صرف ناک ہی بڑی نظر آتی ہے، ایک انسان میں بے شمار خوبیاں موجود ہیں انھیں صرف اس کی ایک برائی ہی نظر آتی ہے، صاف کپڑوں میں انھیں صرف سیاہی کا وہ ہلکا سا

دھبہ ہی دکھائی دیتا ہے جو غلطی سے لگ گیا تھا، قصہ مختصر ان کی تنقید سے کوئی نہیں بچ سکتا ایسے لوگوں کی شخصیت دوسروں کے لیے قابل نفرت ہوتی ہے۔

التماس:

اگر آپ کسی پر تنقید کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کی کھل کر خوبیوں کی تعریف کریں اپنی خوبیاں سننے کے بعد ناخوشگوار باتیں ذرا آسانی سے سنی جا سکتی ہیں۔

دوسروں کی خواہش کا احترام

جب آپ کسی پر تنقید کر رہے ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے آپ کی مرضی کے مطابق کیوں نہیں کام کیا یعنی آپ اپنی خواہش دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھیے! جب آپ نہیں چاہتے کہ کسی دوسرے کی خواہش اور مرضی آپ پر مسلط ہو تو پھر آپ دوسروں پر اپنی خواہشات کا بوجھ کیوں ڈالتے ہیں؟ پھر آپ دوسروں کی خواہش کا کیوں نہیں احترام کرتے؟ اگر آپ دوسروں کی خواہش کا احترام کریں گے تو پھر آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی۔

آپ ﷺ ہر کسی کی جائز خواہش کا احترام کرتے تھے اور آپ نے دوسروں کو بھی یہی حکم فرمایا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَلْيُجْلِسْهُ فَلْيَأْكُلْ مَعَهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُنَاوِلْهُ مِنْهُ)) [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لائے تو اسے چاہیے کہ خادم کو بٹھا کر اپنے ساتھ کھانا کھلائے اگر خادم ساتھ نہ کھائے یا مالک کھلانا نہ چاہے تو اس کھانے میں سے کچھ خادم کو دے دے۔''

ظاہر ہے جب کوئی نوکر اپنے مالک کے سامنے طرح طرح کے کھانے دسترخواں پر رکھتا

[1] ابن ماجه، كتاب الاطعمه: ٣٢٨٩

ہے اور پھر مالک کو کھاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس بے چارے کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات جنم لیتے ہیں، کیا میں بھی کبھی ایسے کھانے کھاؤں گا؟ یا پھر کیا اس دسترخواں سے بچے ہوئے ٹکڑوں کی میرا مالک مجھے کھانے کی اجازت دے دے گا؟ یہ سوالات اس کے ذہن میں اس لیے ابھرے ہیں کہ اس کی خواہش ہے کہ وہ بھی اس طرح کا کھانا کھا سکے اس لیے ہی تو رسول اللہ ﷺ نے دوسروں کی جائز خواہش کا خیال رکھا اور دوسروں کو بھی حکم دیا۔

اب اگر مالک اس کو ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلا دے تو نوکر کے ہاں اس کے مالک کی شخصیت ایسی پسندیدہ ہوگی کہ وہ جہاں بھی جائے گا اپنے مالک کی تعریفیں کرے گا۔

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَقَالَ إِذَا فَرَغْتَ مِنْهُ فَآذِنَّا فَلَمَّا فَرَغَ آذَنَهُ بِهِ فَجَاءَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَجَذَبَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ نَهَاكَ اللَّهُ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ فَقَالَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ فَنَزَلَتْ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ فَتَرَكَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِمْ)) [1]

"سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے (جو مومن تھے) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اپنی قمیص عنایت فرمادیں تا کہ اس کا کفن بنا لوں اور اس پر آپ ﷺ نماز پڑھ دیجئے اور اس کی بخشش کے لئے دعا کر دیجئے، آپ ﷺ نے اپنی قمیص دے دی اور فرمایا کہ جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[1] الصحیح البخاری، کتاب اللباس: ۵۷۹۶

نے عرض کیا، کیا اللہ نے آپ کو منافقین پر پڑھنے سے منع نہیں فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''کہ آپ ﷺ ان کے لئے بخشش کی دعا کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں کبھی نہ بخشے گا۔'' پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان میں سے جو مر جائے کسی پر کبھی بھی نماز نہ پڑھو، تو ان پر نماز پڑھنی ترک کر دی۔''

اس حدیث میں سے جو مجھے استدلال کرنا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عبداللہ بن ابی کے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خواہش کو پورا کرنا ہے کہ جب انھوں نے آپ ﷺ سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ آپ ﷺ اپنا کرتا میرے باپ کو کفن کے طور پر پہنا دیں اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھا دیں تو آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو اپنا کرتہ بھی پہنایا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔

سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ کس قدر دوسروں کی خواہشات کا احترام کرتے تھے۔

((عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ مَنْسُوجَةٍ فِيهَا حَاشِيَتُهَا أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ قَالُوا الشَّمْلَةُ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ نَسَجْتُهَا بِيَدِي فَجِئْتُ لِأَكْسُوَكَهَا فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ فَحَسَّنَهَا فُلَانٌ فَقَالَ اكْسُنِيهَا مَا أَحْسَنَهَا قَالَ الْقَوْمُ مَا أَحْسَنْتَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلْتَهُ وَعَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ قَالَ إِنِّي وَاللَّهِ مَا سَأَلْتُهُ لِأَلْبَسَهُ إِنَّمَا سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفَنِي قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفَنَهُ)) [1]

[1] الصحیح البخاری، کتاب اللباس: ۵۸۱۰

''سیدنا سہل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک عورت بردہ لے کر آئی جو بنا ہوا تھا اور اس میں حاشیہ تھا تم جانتے ہو کہ بردہ کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا کہ شملہ (چادر) سیدنا سہل رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ تو اس عورت نے کہا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور میں اسے اس لئے لائی ہوں کہ آپ ﷺ اسے پہنیں۔ نبی ﷺ نے اسے لے لیا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی پھر آپ ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ اس چادر کو ازار بنائے ہوئے تھے اس کی فلاں شخص نے تعریف کی اور کہا آپ ہمیں یہ دے دیں، یہ چادر کتنی اچھی ہے، لوگوں نے کہا کہ تو نے اچھا نہیں کیا کہ تو نے نبی ﷺ نے ضرورت کی حالت میں پہنا تھا اور تو نے اسے مانگ لیا حالانکہ تو جانتا ہے کہ آپ ﷺ کسی کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے واللہ اس لئے نہیں مانگا تھا کہ اس کا لباس پہنوں بلکہ اس لئے مانگا کہ میرا کفن ہو جائے۔ سہل نے کہا کہ وہ چادر اس شخص کا کفن بنی۔''

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح دوسروں کی خواہشات کا احترام کرتے تھے آپ ﷺ کو کسی عورت نے چادر دی اور اس چادر کی آپ ﷺ کو خود بھی بے حد ضرورت تھی لیکن جب آپ ﷺ پہن کر صحابہ کی مجلس میں آئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اپنی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے وہ چادر سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دے دی، اس طرح کے بے شمار واقعات کتب حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ تھی۔

اگر کوئی شخص صرف اپنی خواہشوں کی بہتری کے لیے خواہاں ہے سماج میں رہنے والے کسی دوسرے انسان کی خواہشات کا احترام نہیں کرتا اس سے بڑھ کر سماج کو چوٹ پہنچا کر اپنی خواہشات پوری کرتا ہے تو اس کی زندگی نہ صرف بے کار اور نقصان دہ ہو جاتی ہے بلکہ اس کی

منزل یعنی ذاتی خوشی بھی میسر نہیں آسکتی ان حالات میں انسان صرف اپنی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے۔

اہمیت دو:

دیکھ اگر کوئی آپ کی طرف اس سبب سے میلان کرتا ہے کہ تم سے اس کو اپنی کوئی جائز خواہش پوری ہونے کی امید ہے تو اس کو عزت بخشو اس سے آپ کی شخصیت اس کے لیے پسندیدہ ہو جائے گی۔ان شاء اللہ

دوسروں کو احسان کا جھولا جھولائیں

آپ دوسروں کو احسان کے جھولے میں جھولہ دے سکتے ہیں مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ دوسروں کی خواہشات کا احترام اور ان سے پیار کریں گے مثلاً ایک محتاج ریڑی لگاتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ مجھ کو اس میں سے زیادہ سے زیادہ منافع ہو اور آپ اس سے مہنگا سودا خرید لیتے ہیں اس طرح اگر آپ سے کسی مجبور بے کس نے قرض لیا ہے اور اسکی خواہش ہے کہ آپ اس کو قرض معاف کر دیں تو آپ اس کا قرض معاف کر دیتے ہیں یہ سب چیزیں احسان کے زمرے میں آتی ہے۔

<u>یاد رکھیے!</u>

''احسان کی رسی سے مضبوط رسی کوئی نہیں''

اپنی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بنانے کے لیے احسان بہترین سرچشمہ ہے اس میں شک نہیں کہ ایک صالح اور پرسکون معاشرے کے قیام کا انحصار عدل و انصاف پر ہوتا ہے لیکن اس میں حسن اور رعنائی احسان سے ہی پیدا ہوتی ہے عدل اگر معاشرے سے تلخیوں کو دور کرتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں پیدا کرتا ہے احسان ایک ایسا وصف ہے جس سے عوام میں محبت اور الفت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا احسان کی اہمیت وفرضیت پر زور دیا ہے والدین واقارب، ہمسایہ اور مسافر سب کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (النمل : ١٦/٩٠)

"بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (البقرة : ۲/۱۹۵)

"اور احسان کرو، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

یہ آیت دلیل ہے اس بات کی کہ احسان کرنے والے کی شخصیت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی محبت اپنی مخلوق کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے پر زور دیا ہے وہاں اللہ کے رسول ﷺ نے بھی دوسروں پر احسان کرنے پر زور دیا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَأَلْبِسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ)) [3]

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ (غلام باندیاں) تمہارے بھائی ہیں (آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں) اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے قبضہ میں دے دیا ہے انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور انہیں مشکل کام کا حکم مت دو اگر مشکل کام کا حکم دو تو ان کی مدد بھی کرو (کہ خود بھی شریک ہو جاؤ)۔"

ایک دوسری حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] ابن ماجه، كتاب الادب : ٦٣٩٠

الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ)) ❶

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور ان کی ضروریات حیات کا حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے جس طرح کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور ان کی ضرورت کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے جو اس کے عیال (مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔''

تیسری حدیث:

((عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! الرَّجُلُ أَمُرُّ بِهِ فَلَا يَقْرِينِي وَلَا يُضَيِّفُنِي فَيَمُرُّ بِي أَفَأُجْزِيهِ قَالَ لَا اقْرِهِ))❷

''حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک آدمی کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمان نوازی نہیں کرتا پھر وہ میرے پاس سے گزرتا ہے کیا میں بھی اسی کے بدلے میں اس طرح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اس کی میزبانی کرو۔''

چوتھی دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُونُوا إِمَّعَةً تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا

❶ البیهقی فی شعب الایمان

❷ جامع ترمذی، باب البر والصلة : ٢٠٧٣

وَإِنْ أَسَائُوا فَلَا تَظْلِمُوا))[1]

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہر ایک کی رائے پر نہ چلو یعنی یوں نہ کہو کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں گے بلکہ اپنے آپ پر اعتماد و اطمینان رکھو، اگر لوگ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور اگر برائی کریں تو ظلم نہ کرو۔''

مطلب یہ ہے کہ احسان صرف ان ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں ان کے ساتھ بھی ہم احسان کا رویہ رکھیں کیوں کہ جس کو آپ نے احسان کے جھولے میں بیٹھایا وہی آپ کی تعریف کے گیت گائے گا اور یہ ایسی رسی ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گی۔

حکایت:

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک شخص بکری کی رسی ہاتھ میں تھامے چلا جا رہا ہے بکری اس شخص کے پیچھے پیچھے سر جھکائے یوں چلی آ رہی تھی جیسے اسے اس بات کی کوئی فکر ہی نہ ہو کہ اس کے گلے میں رسی بندھی ہوئی ہے میری توجہ دیکھ کر بکری والے نے پوچھا ''بابا جی'' کیا دیکھتے ہو؟

میں نے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بکری صرف اس لیے تیرے پیچھے پیچھے آنے پر مجبور ہے کہ اس کے گلے میں رسی بندھی ہے اور اس کا دوسرا سرا تیرے ہاتھ میں ہے، میری یہ بات سن کر اس شخص نے بکری کی گردن رسی سے آزاد کر دی مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اب بھی وہ بکری اس شخص کے پیچھے پیچھے سر جھکائے چل رہی تھی بکری والے شخص نے میری حیرت دیکھتے ہوئے کہا حیران مت ہوں یہ بکری بظاہر تو اس رسی سے بندھی تھی جو اس کے گلے میں تھی لیکن درحقیقت اسے میرے اس احسان نے مطیع بنایا ہے جو میں دانہ پانی دینے کی صورت میں اس پر کرتا ہوں۔

[1] جامع ترمذی، باب البر والصلة : ۲۰۷٤

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے :

ببخش اے پسر کا آدمی زادہ صید
باحسان تواں کرد و وحشی بقید
عدو را بالطاف گردن بہ بند
کہ نتواں بریدن بہ تیغ ایں کمند
چو دشمن کرم بیند و لطف و جود
نیاید دگر خبث ازو در وجود
مسکن بدکہ بدبینی از یار نیک
نروید ز تخم بدی بار نیک
چو بادوست دشوار گیری و تنگ
نخواھد کہ بیند ترانقش و رنگ
و گر خواجہ بادشمناں نیک خوست
بسے برنیاید کہ گرد ند دوست[1]

''اے لڑکے! بخشش کر اس لیے کہ انسان کو شکار احسان سے کیا جا سکتا ہے۔''

''اور وحشی کو قید سے مہربانیوں سے دشمن کی گردن باندھ اس لیے یہ رسی تلوار سے نہیں کاٹی جا سکتی۔''

''جب دشمن بخشش مہربانی اور سخاوت کو دیکھتا ہے دوبارہ اس میں کمینگی پیدا نہیں ہوتی۔''

''برائی نہ کر ورنہ نیک دوست سے بھی برائی دیکھے گا برائی کے بیج سے اچھا پھل نہیں اگتا۔''

''جب تو دوست کے ساتھ سخت گیری اور تنگی کرے گا وہ نہیں چاہے گا کہ تیرے

[1] بوستان سعدی، کتاب در احسان : ۱۲۷

نقش اور رنگ دیکھے۔"

"اور اگر خواجہ دشمنوں کے ساتھ نیک عادت ہے زیادہ وقت نہ گزرے گا کہ وہ دوست بن جائیں گے۔"

شیخ سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

بداں را نوازش کن اے لیکمرد
کہ سگ پاس دارد چونان تو خورد
براں مرد کندست دنداں یوز
کہ مالزباں برپنیرش دو روز [1]

"اے نیک مرد! بدوں پر مہربانی کر کیوں کہ کتا جب تیری روٹی کھاتا ہے تو تیری حفاظت کرتا ہے۔"

"اس شخص پر چیتے کے دانت کند ہو جاتے ہیں جس کے پیر پر وہ دو دن زبان مل دیتا ہے۔"

لطف و کرم خواہ کسی وحشی درندے پر ہی کیوں نہ کیا جائے اپنی تاثیر دکھاتا ہے کیوں کہ احسان دشمن کی کارستانیوں کے لیے زہر ہلاہل کا کام دیتا ہے اے حضرت انسان! بُروں پر بھی احسان کا دروازہ کھلا رکھ کیونکہ جب وہ تیری مہربانی کا لطف اٹھائے گا تو تیرے مفادات کی نگہبانی کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دے گا۔

دلیل یہ واقعہ ہے جو صحیحین میں موجود ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ نجد کی طرف روانہ کیا وہ بنو حنیفہ کے ایک آدمی یمامہ کے حکمران ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور یاد رکھیے! یہ وہ ثمامہ بن اثال ہے جس نے کافی صحابہ کرام کو شہید کیا تھا۔

[1] بوستان سعدی، کتاب در احسان: ۱۲۸

رسول اللہ اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا:

((فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ مِنَ الْغَدِ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ)) [1]

”اے ثمامہ! کیا خبر ہے؟ اس نے عرض کیا اے محمد ﷺ! خیر ہے اگر آپ ﷺ قتل کریں تو ایک خونی آدمی کو قتل کریں گے اور اگر آپ ﷺ احسان فرمائیں تو شکر گزار آدمی پر احسان کریں گے اور اگر مال کا ارادہ فرماتے ہیں تو مانگیے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی چاہت کے مطابق عطا کیا جائے گا آپ ﷺ اسے ویسے ہی چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ اگلے دن آپ ﷺ نے فرمایا اے ثمامہ! تیرا کیا حال ہے اس نے کہا میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ ﷺ احسان کریں تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ ﷺ قتل کریں تو ایک خونی آدمی کو ہی قتل کریں گے اور اگر آپ ﷺ مال کا ارادہ رکھتے ہیں تو مانگیے آپ ﷺ کے مطالبہ کے مطابق آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے اسے اسی طرح چھوڑ دیا یہاں تک کہ اگلے روز

[1] الصحيح البخاري، كتاب المغازي: ٤٣٧٢

آئے تو فرمایا اے ثمامہ! تیرا کیا حال ہے اس نے کہا میری وہی بات ہے جو عرض کر چکا ہوں اگر آپ ﷺ احسان فرمائیں تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ ﷺ قتل کریں تو ایک طاقتور آدمی کو ہی قتل کریں گے اور آپ ﷺ مال کا ارادہ کرتے ہیں تو مانگئے آپ ﷺ کے مطالبہ کے مطابق آپ ﷺ کو دے دیا جائے گا''

آپ ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو آزاد کر دو رہائی پا کر ثمامہ مسجد کے قریب ایک باغ میں گئے غسل کیا اور پھر دوبارہ مسجد میں داخل ہوئے اور پکار اٹھے

((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ))

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں''

پتا ہے آپ کو کہ ثمامہ بن اثال غسل کر کے دوبارہ مسجد میں کیوں آیا؟ اس وجہ سے کہ وہ احسان کی مضبوط رسی جو کبھی نہ ٹوٹنے والی تھی اس میں مضبوطی سے جکڑ چکا تھا اب وہ جانے کی کوشش کرتا بھی تو نہ جا سکتا۔

لہٰذا اگر آپ بھی کسی پر احسان کریں گے چاہے وہ دکھی ہو، لاچار ہو، پریشان حال ہو، مفلسی ہو، مقروض ہو، ضرورت مند ہو۔

مسلم ہو یا غیر مسلم ہو حتیٰ کہ کوئی بھی انسان ہو تو آپ کی شخصیت ان سب لوگوں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کی شخصیت کو پسند کرے گا۔

عرض:

دوسروں کو احسان کے جھولے میں جھولہ دیں۔

❋❋❋❋

اللہ کی مخلوق سے محبت کریں

جب آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے پیار کریں گے تو آپ ان کی خواہشات کا احترام کریں گے یقیناً جائز خواہش کا احترام ہی تو احسان ہے مثلاً آپ کا ایک دوست ہے جس سے آپ بہت پیار کرتے ہیں اس نے آپ سے کچھ رقم بطور قرض لی ہے اور اس کا ہاتھ بہت تنگ ہے اور اس کی خواہش ہے کہ آپ اس کے قرض کو معاف کر دیں اور آپ اس کے قرض کو معاف کر دیتے ہیں خواہشات کا احترام اور دوسروں پر احسان کرنا یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے پیار کریں گے۔

جب آپ دوسروں سے محبت کریں گے تو دوسرے بھی آپ سے محبت کریں گے یعنی آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی۔

فلم اور ڈرامہ والوں نے محبت کے لفظ کو ہوس کا نام دے دیا ہے حالانکہ محبت کا لفظ بہت پاکیزہ ہے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا نوع انسان کو
تو اخوت کا بیاں ہو جا تو محبت کی زباں ہو جا

محبت اتنا پاکیزہ لفظ ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے بندوں کے لیے بولا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۱۳)

”بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

﴿ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۹۳)

''اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿ وَّ اَحۡسَنُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴾ (المائدہ : ۵/۹۳)

''اور انھوں نے نیکی کی اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴾ (التوبہ : ۹/۴)

''بے شک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِيۡنَ ﴾ (التوبہ : ۹/۱۰۸)

''اور اللہ بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ)) [1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے ہر بھلائی میں ایسی چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے نفع مند ہو اور اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس سے عاجز مت ہو اور اگر تم پر کوئی مصیبت واقع ہو جائے تو یہ نہ کہو کاش میں ایسا ایسا کر لیتا کیونکہ کاش کا لفظ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔''

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ محبت کا لفظ اتنا پاکیزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے یہاں تک محدود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ہی ''الودود'' ہے الودود کا معنیٰ ہے کوئی اللہ سے محبت کرے یا نہ کرے لیکن اللہ اپنے تمام بندوں سے محبت کرتا ہے۔

[1] الصحیح المسلم، کتاب القدیر : ٦٧٧٣

جب اللہ اپنی بنائی ہوئی مخلوق سے محبت کرتا ہے تو پھر ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرنی چاہیے اور اس سے بڑھ کر جس نے ہم کو پیدا کیا (اللہ) اس سے محبت کرنی چاہیے۔

زندگی ایک پھول ہے تو محبت اس کی خوشبو ہے اگر پھول سے خوشبو ختم ہو جائے تو کوئی بھی پھول کو پسند نہیں کرے گا بالکل اسی طرح اگر کسی کی زندگی میں محبت جیسی اعلیٰ چیز موجود نہیں تو اس کی شخصیت کو بھی کوئی نہیں پسند کرے گا۔

ایک غور طلب بات:

محبت کا مادہ ح، ب (حب) ہے، اگر ح پر زبر دے دیں تو لفظ بن جائے گا حب تو اس کا معنی ہوگا (دانہ)۔

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝﴾

(لقمان: ۱۶/۳۱)

''اے میرے چھوٹے بیٹے! بے شک کوئی چیز اگر رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں، یا زمین میں تو اسے اللہ لے آئے گا، بلاشبہ اللہ بڑا باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

(حب) ح پر زبر ہو تو اس کا معنیٰ ہے دانہ یعنی جس طرح انسانی جسم کو زندہ رکھنے کے لیے دانے کی ضرورت ہوتی ہے بالکل اسی طرح روح کو زندہ رکھنے کے لیے محبت ضروری ہوتی ہے، زندگی نام ہی محبت کا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آپس میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والے کل قیامت کو رب کے سائے میں ہوں گے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ

وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّی أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ))[1]

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (۱) حاکم، (۲) عادل، (۳) وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، (۴) وہ دو اشخاص جو باہم صرف اللہ کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے، (۵) وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت زنا کے لیے بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لئے نہیں آ سکتا، (۶) وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، (۷) وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جائیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہوں گے وہ دونوں کل قیامت کو اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے اور جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے اللہ کو راضی کرنے کے لیے محبت کرتا ہوگا تو اللہ اس کی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بنا دے گا۔

محبت ہی وہ واحد چیز ہے جو ہر امر دشوار کو آسان بنا سکتی ہے مثلاً آپ کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتے اس کی خواہش کو پورا کر کے اس پر احسان کی مہر ثبت کرنا چاہتے ہوں تو وہ محبت ہی ہے جو یہ سب کام کروا سکتی ہے۔ جب آپ کسی سے محبت کریں گے تو وہ اگرچہ اجنبی بھی ہوگا تو آپ کا اپنا بن جائے گا اور اگر آپ نفرت کریں گے تو اپنا بھی پرایا بن جائے گا لہٰذا دنیا میں کوئی بھی اپنا اور پرایا نہیں بلکہ سب محبت کے رشتے ہیں۔

[1] الصحيح المسلم، كتاب الزكاة: ٢٣٨٠

کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

محبت سے کرو آغاز تو اجنبی بھی قریب آتے ہیں

محبت ہے اک روحانی منزل جہاں فرشتے بھی سر جھکاتے ہیں

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

شنیدم شبی در کتب خانه من

به پروانه می گفت کرم کتابی

به اوراق سینا نشیمن گرفتم

بسی دیدم از نسخه فارابی

نفهمیده ام حکمت زندگی را

همان تیرا روزم زبی آفتابی

نکو گفت پروانه نیم سوزی

که این نکته رادر کتابی نیابی

تپش می کند زنده تر زندگی را

تپش می دید بال و پر زندگی را

''میں نے اپنے کتب خانے میں ایک رات کسی کتابی کیڑے کو پروانے سے کہتے سنا۔''

''کہ میں نے ابن سینا جیسے فلسفی کی تصانیف اور کاغذات میں ٹھکانہ بنائے رکھا اور ظہیر الدین محمد فارابی جیسے (عظیم) شاعر کی قدیم کتب کو بھی متعدد بار دیکھا ہے۔''

''لیکن زندگی کی حقیقت اور راز کو نہ جان سکا یعنی زندگی کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوسکا۔''

''لہٰذا جس طرح سورج علم کی روشنی کے بغیر (بے عمل) تاریکی میں تھا اب بھی

ویسا ہی ہوں"۔

"(اس پر) نیم بسمل یعنی ادھ جلے پروانے نے کیا خوب بات کہی کہ اس نکتے یعنی راز کو تم کتابوں میں نہیں پاؤ گے۔"

"محبت سوز دروں سے زندگی کو بیدار تر اور زندہ بنا دیتا ہے اور محبت ہی زندگی کو بال و پر یعنی قوت پرواز عطا کرتی ہے۔"

جو انسان زندگی کی حقیقت کو محض فلسفے اور حکمت کی کتابوں میں تلاش کرتا ہے وہ زندگی کا راز جاننے میں ناکام رہتا ہے، اس لیے کہ فلسفہ اور حکمت کے علوم زندگی کی حقیقت کو جاننے سے خود بھی قاصر ہیں فلسفہ اور حکمت کی بنیاد عقل انسانی پر ہے۔

محبت ہی وہ واحد چیز ہے جس کے ذریعے سے انسان زندگی کی حقیقت کو جان سکتا ہے محبت تخلیقی قوت ہے بلکہ یہ ایک ایسی روحانی قوت ہے جو ایک شخص ہی نہیں بلکہ پوری قوم کی روحانی زندگی کو گرما دے محبت نے انسان کو حرارت سوز دروں عطا کی ہے محبت ہی راز حیات ہے اس لیے زندگی کی حقیقت تک بھی اس تپش کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے۔

سوز جگر یا خون جگر یا جگر کی آگ سے انسان میں تخلیقی قوت پیدا ہوتی ہے جو زندگی کو بیدار کرتی ہے، اس میں قوت ایمانی پیدا کر کے اسے متحرک کرتی ہے اور محبت ہی آدمی کی شخصیت کو دوسروں کے لیے پسندیدہ بناتی ہے۔

یاد رکھیے!

محبت ہی آپس میں ایک دوسرے کا احساس پیدا کرتی ہے ایک مثال سے سمجھیے موم بتی جب ہم جلاتے ہیں تو دھاگہ جلنے کی وجہ سے موم پگھلتا ہے دھاگہ موم سے پوچھتا ہے ارے موم! جلتا تو میں ہوں تو کیوں روتی ہے۔

تو موم نے کیا خوب جواب دیا اے دھاگے! جس کو دل میں بسایا ہو جب اس کو تکلیف پہنچے تو رونا تو آتا ہی ہے۔

اگر تلوار لوہے کی ہے تو ایک تلوار محبت کی بھی ہے جب لوہے کی تلوار چلتی ہے تو ایک چیز کو دو کر دیتی ہے اور جب محبت کی تلوار چلتی ہے تو دو کو ایک کر دیتی ہے۔

دوسروں سے خیر خواہی کا معاملہ

آپ اللہ کی مخلوق سے خیر خواہی کا معاملہ اسی وقت کر سکتے ہیں جب آپ کے دل میں اللہ کی مخلوق سے محبت کا احساس پیدا ہوگا آپ لوگوں کے ساتھ سچے دل سے خیر خواہی کا معاملہ کریں تا کہ لوگوں کو محسوس ہو کہ آپ ان سے محبت کرتے ہیں اسی لیے آپ ان کی خیر خواہی چاہتے ہیں تو ان کے دلوں میں آپ کی شخصیت گھر کر جائے گی یعنی آپ کی شخصیت ان کی پسندیدہ بن جائے گی۔

خیر خواہی کا معنی ہے دوسروں کے ساتھ ہر طرح کی بھلائی کرنے کا جذبہ دل میں رکھنا اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ)) [1]

''سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کس چیز کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے آئمہ کی اور تمام مسلمانوں کی۔

اللہ سے خیر خواہی:

(اللہ سے خیر خواہی کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اسکی صفات میں اِس کی عبادت کے لیے مستعدر ہے اس کی نافرمانی سے بچتا رہے اس

[1] الصحیح السملم، کتاب الایمان : ١٩٦

کے لیے دوستی رکھے اور اسی کے لیے دشمنی۔

اللہ کی کتاب سے خیر خواہی:

خدا کی کتاب سے خیر خواہی کا معاملہ یہ ہے کہ اس بات پر یقین کرے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اسی نے اسے اتارا ہے اور کسی مخلوق کا کلام اس کے مثل نہیں ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مخلوق اس کے مثل بنا سکتی ہے اس کی تلاوت کرے جس طرح تلاوت کا حق ہے اور اس پر عمل کرے۔

رسول اللہ سے خیر خواہی:

رسول اللہ ﷺ سے خیر خواہی کا معاملہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ کا بھیجا ہوا سمجھے اور اس پر یقین رکھے کہ جتنی باتیں آپ ﷺ لے کر آئیں ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں اور آپ ﷺ جس کام کے کرنے کا حکم دیں وہ کام کریں جس کام سے منع کریں اس سے رک جائیں۔

حاکموں سے خیر خواہی:

مسلمانوں کے حاکموں سے خیر خواہی کا معاملہ یہ ہے کہ حق بات میں ان کی مدد کرے اور ان کی اطاعت کرے اور ان کو حق بات کا حکم کرے اور جس وقت وہ کسی بات سے غافل ہوں اور اگر مسلمانوں کے کسی حق کی ان کو خبر نہ ہو تو اس کی اطلاع دے اور ان سے بغاوت اور سرکشی نہ کرے اور لوگوں کا دل ان کی اطاعت کی طرف مائل کرے یہ سب باتیں خیر خواہی کے زمرے میں آتی ہیں۔

عام مسلمانوں سے خیر خواہی:

اور عام مسلمانوں (انسانوں) سے خیر خواہی کا معاملہ ہے کہ ان کو وہ بات بتلائے کہ جس سے ان کو آخرت اور دنیا دونوں کا فائدہ ہو، ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دے، ان کو دین کی بات سکھلائے جو وہ نہیں جانتے، زبان یا ہاتھ سے ان کی مدد کرے، ان کے عیبوں کو چھپائے، ان کے ضرر کو دور کرے، ان کے منافع کے لیے ہر دم کوشاں رہے، ان کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، ان میں سے جو بوڑھا اور بزرگ ہو اس کی عزت تکریم کرے، جو بچہ چھوٹا ہو

اس پر مہربانی کرے، ان کو اچھی نصیحت کرتا رہے، ان سے فریب نہ کرے، ان سے حسد نہ کرے، ان کے واسطے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، ان کے مال و جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے، ان کو گالی نہ دے، ان سے کسی قسم کا جھوٹ نہ بولے اور ان سب سے مساوات کا سلوک کرے یہ سب باتیں خیر خواہی کے زمرے میں آتی ہیں اب آپ خود ہی بتائیں جس میں یہ سب باتیں ہوں کیا اس کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ نہ ہو گی۔ یقیناً آپ جواب ہاں میں دیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

((عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ)) [1]

"سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی۔"

پھر سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت پر ایسا عمل کیا کہ ایک بار اپنے غلام کو گھوڑا خریدنے کے لیے بھیجا وہ تین سو درہم میں ایک گھوڑا خرید لایا اس کا مالک بھی دام لینے کے لیے ساتھ آیا سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے کہا تیرا گھوڑا تین سو درہم سے زیادہ کا مال ہے تو چار سو درم میں بیچ، اس نے کہا میں نے تم کو اختیار دیا جو دام مناسب ہیں دے دو۔ جریر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ چار سو درہم سے بھی زیادہ کا مال ہے پانچ سو درہم میں بیچ اسی طرح سیدنا جریر رضی اللہ عنہ سو سو درہم بڑھاتے گئے اور مالک کم پر راضی تھا یہاں تک کہ آٹھ سو درہم تک لگائے اور آٹھ سو درہم میں خرید لیا اور لوگوں نے کہا آپ نے یہ کیا کیا؟ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی تھی تو گھوڑا بیچنے والا بھی مسلمان تھا اور یہ بات خیر خواہی کی نہ تھی کہ میں اس کا مال کم قیمت میں خرید لوں اور اسے نقصان دوں۔

[1] الصحیح المسلم، کتاب الایمان : ۲۰۰

اب آپ خود بتائیں کیا ایسا کرنے سے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ نہ بنی ہوگی؟ یقیناً بنی ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی دوسروں کے لیے خیرخواہی چاہتے تھے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ)) [1]

"سیدنا عبداللہ بن ابی قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس میں طول دوں، مگر بچے کے رونے کی آواز سن کر میں اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، اس بات کو برا سمجھ کر کہ اس کی ماں پر سختی کروں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اسی طرح محبت کرتے تھے اور اپنی محبت کا اظہار بھی خیرخواہی سے کرتے تھے۔

زندگی نام ہی دوسروں کی خیرخواہی کا ہے اس کو ایک مثال کے ساتھ سمجھیے۔

Steel (سٹیل) میں ہونے والی اسپیشل اولمپس (ذہنی وجسمانی معزوروں کی اولمپکس) میں 100 میٹر دوڑ میں نو کھلاڑی نقطہ آغاز پر کھڑے تھے تمام کے تمام ذہنی یا جسمانی طور پر کسی نہ کسی کمی کا شکار تھے مگر ان خامیوں اور کمیوں کے باوجود زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے اس لیے وہ سب میدان میں موجود تھے وہ اپنے آپ کو منوانا چاہتے تھے اور یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ ہر میدان بشمول کھیل کے میدان میں اپنی صلاحیتیں منوا سکتے ہیں۔

دوڑ کے شروع ہونے کا لمحہ قریب آتا جا رہا تھا سب بے چینی سے منتظر تھے کہ دوڑ شروع

[1] الصحيح البخاري، كتاب الاذان: ٧٠٧

ہوتا کہ وہ اپنی صلاحتیں ثابت کر سکیں۔ سیٹی بجتے ہی وہ سب ٹیڑھے انداز میں نقطہ اختتام کی جانب دوڑنے لگے سب اس دوڑ کو جیتنے کے لیے کوشاں تھے سب کے سب منزل کی جانب بڑھ رہے تھے سوائے ایک لڑکے کے یہ لڑکا اپنی معزوری کی وجہ سے اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پا رہا تھا اور بار بار گر رہا تھا جلد ہی اس نے ہمت ہار دی اور رونا شروع کر دیا۔

باقی آٹھ نے جیسے ہی اس کے رونے کی آواز سنی وہ رک گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھا اسے گرا ہوا خاک آلود اور روتا دیکھ کر وہ مڑے اور تمام کے تمام واپس اس کے پاس پہنچے ان میں ایک لڑکا گھٹنوں کے بل جھکا اور اس کے ماتھے کو چوم کر بولا میرے ابو کو جب بھی درد ہوتا ہے تو میرے پیار کرنے سے وہ ختم ہو جاتا ہے یہ بھی اس سے ٹھیک ہو جائے گا اس کے بعد ان تمام نے مل کر اسے اٹھایا سہارا دیا اور سب ساتھ ساتھ نقطۂ اختتام کی جانب چل پڑے اور اکٹھے منزل پر پہنچے۔

دراصل فطری طور پر ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ صرف اپنے لیے جینا کوئی جینا نہیں زندگی میں برسوں کا اضافہ اہم نہیں بلکہ برسوں میں زندگی کا اضافہ اہم ہے۔

دوسروں کو کامیابی کی راہ پر ڈالنا اور منزل تک پہنچنے میں مدد دینا اور ان سے ہر قسم کی خیر خواہی کا معاملہ کرنا ہی اصل زندگی ہے۔

اظہار کریں:

آپ اپنی محبت کا اظہار دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ کریں تا کہ وہ بھی آپ کی شخصیت کو پسند کریں۔

دوسروں میں بڑائی کا احساس پیدا کریں

دوسروں کی خیر خواہی کے لیے ضروری ہے کہ آپ ان میں بڑائی کا احساس ابھاریں مثلاً کوئی طالب علم آپ سے ملتا ہے تو آپ اس سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کریں پھر آپ اس میں بڑائی کا احساس پیدا کریں، کہ آپ کا چہرا ذہین اور قابل بچوں جیسا ہے۔ یقین مانیں! اگر وہ بچہ پڑھائی میں کمزور بھی ہو تو آپ کے جملوں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے آپ کو کمزور خیال نہیں کرے گا اور خوب محنت کرے گا۔

اگر آپ استاد ہیں تو ایک تجربہ کر کے دیکھ لیں اگر کلاس میں کسی بچے کو سبق آتا بھی ہو آپ اس سے تھوڑا سا سخت لہجے میں بولیں گے تو وہ سبق بھول جائے گا اور اس کے برعکس اگر بچے کو کچا پکا سبق آتا ہو تو آپ صرف اس کو اتنے بول بول دیں کہ آپ بہت ذہین اور لائق ہیں تو وہ آپ کو ان شاء اللہ صحیح سبق سنا دے گا۔

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے اندر بڑائی کا احساس پیدا کرتے تھے جس کی دلیل یہ واقعہ ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ هَذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَا أَحْبَبْتُ الْإِمَارَةَ إِلَّا يَوْمَئِذٍ قَالَ فَتَسَاوَرْتُ لَهَا رَجَاءَ أَنْ أُدْعَى لَهَا قَالَ فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهَا وَقَالَ امْشِ وَلَا تَلْتَفِتْ حَتَّى يَفْتَحَ اللَّهُ عَلَيْكَ

قَالَ فَسَارَ عَلِيٌّ شَيْئًا ثُمَّ وَقَفَ وَلَمْ يَلْتَفِتْ فَصَرَخَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلَى مَاذَا أُقَاتِلُ النَّاسَ قَالَ قَاتِلْهُمْ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَقَدْ مَنَعُوا مِنْكَ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ)) [1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جھنڈا میں ایک ایسے آدمی کو دوں گا کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوگا، اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن کے علاوہ کبھی بھی امارت کی آرزو نہیں کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں اس امید کو لے کر آپ کے سامنے آیا کہ آپ مجھے اس کام کے لئے بلالیں، راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا تو آپ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور آپ نے فرمایا جاؤ اور کسی طرف توجہ نہ کرو یہاں تک کہ اللہ تجھے (تیرے ہاتھوں) فتح عطا فرمادے، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ چلے اور پھر ٹھہر گئے اور کسی طرف توجہ نہیں کی پھر اچانک بولے، اے اللہ کے رسول! میں لوگوں سے کس بات پر قتال کروں؟ آپ نے فرمایا تم ان لوگوں سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ لوگ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کی گواہی نہ دیں تو جب وہ لوگ اس بات کی گواہی دے دیں تو انہوں نے اپنا خون اور مال تم سے محفوظ کرلیا، سوائے کسی حق کے بدلہ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں یہ کہہ کر بڑائی کا احساس پھونکا کر ادھر ادھر مت دیکھ اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھوں پر ضرور خیبر کو فتح کرے گا۔

[1] الصحيح المسلم، كتاب الفضائل : ٦٢٢٢

اس طرح کی بے شمار مثالیں کتب احادیث میں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر بڑائی کا احساس پیدا کرتے تھے۔

جی۔ کے چسٹرائن ایک انگریز رائٹر تھا وہ 1874 میں لندن میں پیدا ہوا 1936 میں اس کی وفات ہوئی اس کا قول ہے کہ ایک بڑا آدمی وہ ہے جو ہر آدمی کو یہ احساس دلائے کہ تم مجھ سے چھوٹے ہو مگر حقیقی معنوں میں بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو ہر آدمی کے اندر بڑائی کا احساس پیدا کردے۔

"There is a graeat man who makes every man feel small But the real great man is the man Who makes every man feel great"

ایک وہ لیڈر ہوتا ہے جو بڑے بڑے مقاصد لے کر اٹھتے ہیں جن کے پاس بڑے بڑے نعرے ہوتے ہیں جو ہمیشہ ہائی پروفائل میں بات کرتے ہیں ایسے لوگ ہر جگہ چھپتے ہیں، ہر طرف ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے، ہر مقام پر ان کو استقبال ملتا ہے، اس طرح ان کی شخصیت نمایاں ہو جاتی ہے وہ ہر آدمی کو اپنے سے بڑا دکھائی دینے لگتے ہیں یہ وہ لیڈر ہیں جن کی اپنی شخصیتیں تو خوب نمایاں ہو جاتی ہیں مگر عوام کو ان سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں ملتا۔

دوسرا لیڈر وہ ہے جو حقیقی معنوں میں عام انسان کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے وہ ہر آدمی کا درد اپنے سینہ میں لیے ہوئے ہوتا ہے اس کا یہ مزاج اس کو ایسے کام کی طرف لے جاتا ہے جو ایک عام انسان کے لیے تو یقیناً بے حد مفید ہوتا ہے مگر وہ دیکھنے میں کوئی بڑا کام نظر نہیں آتا وہ اخبار کے صفحہ اوّل کی سرخی نہیں بنتا اس کی بنیاد پر اس کو تعریفی قصیدے نہیں ملتے۔

ایسے لیڈر کا عمل اس کو ذاتی شہرت تو نہیں دیتا البتہ وہ ہر فرد کو اونچا کر دیتا ہے وہ ہر آدمی کو اپنے دائرہ میں ہیرو بناتا ہے وہ ہر آدمی کی شخصیت کو بلند کر دیتا ہے

یاد رکھیے! ایسے لیڈر کی ذات دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جاتی ہے۔

چند الفاظ:

حقیقی معنوں میں بڑا آدمی وہ ہے جو ہر آدمی کے اندر بڑائی کا احساس پیدا کردے۔

دوسروں کی پردہ پوشی کریں

آپ دوسروں میں بڑائی کا احساس اسی وقت پیدا کر سکتے ہیں جب آپ دوسروں کے راز کو اپنا راز سمجھیں گے اور ان کے عیب کو نظر انداز کریں گے سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ وہ اپنا راز کسی کو نہ بتائے اگر اس نے بتا دیا تو جب اس کی زبان خود اپنا راز نہیں رکھ سکی تو پھر دوسروں کی زبانیں کس طرح اس کا راز رکھیں گی اور اگر اس نے آپ کو اپنا راز بتا دیا ہے تو آپ اس کی پردہ پوشی کریں شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

چرا گوید آن چیز در خفیه مرد
که گر فاش گردو شود روئے زرد؟
مکن پیش دیوار غیبت بسی
بود کز پسش گوش دارد کسی
درون دلت شهر بنداست راز
نگر تا نبیند در شهو باز
ازان مرد دانا دهان دوختست
که بیند که شمع از زبان سوختست

چپکے سے آدمی ایسی بات کیوں کہے کہ اگر وہ ظاہر ہو جائے تو چہرہ زرد ہو۔
دیوار کے سامنے غیبت نہ کر بسا اوقات ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی کان لگائے ہوئے تیری بات سن رہا ہو۔

❶ بوستان سعدی، کتاب در تربیت ص: ۲۷۳

تیرے دل میں راز قیدی ہے دیکھ بھال کرتا رہ کہیں وہ شہر کا دروازہ کھلا نہ دیکھ لے۔
دانا انسان نے اسی لیے اپنا منہ سی لیا ہے کیوں کہ وہ دیکھتا ہے کہ شمع زبان کی وجہ سے جلی ہے۔

تکش با غلامان یکی راز گفت
که این را نباید به کس باز گفت
بسالیے نیامد زدل بر دہان بیك
به یك سالش آمد ز دل بر دهان
به یك روز شد منتشر در جهان
بفرمود جلاد را بی دریغ
که بردار سرهای اینان به تیغ
یکی زاں میان گفت و زنهار خواست
مکش بندگان کین گناه از تو خاست
تو اول نه بستی که سرچشمه بود
چو سیلاب شد پیش بستن چه سود؟
تو پیدا مکن زاز دل بر کسی
که او خود بگوید بر هر کسی
جواهر به گنجینه داران سپار
ولی راز را خویشتن پاس دار
سخن تا نگویی بر او دست هست
چو گفته شود یابد او بر تو دست
سخن دیوبندی است در چاه دل
به بالای کام و زبانش مهل

توان باز دادن ره نره دیو
ولی باز نتوان گرفتن به ریو
تو دانی که چون دیو رفت از قفس
نیاید به لا حول کس باز پس

"تکش (ایک بادشاہ کا نام) جس نے غلاموں سے ایک راز کہا کہ اس کو کسی سے نہ کہنا چاہیے۔"

"ایک سال تک وہ راز دل سے منہ پر نہ آیا ایک روز دنیا میں پھیل گیا۔"

"بغیر کسی افسوس کے جلاد کو حکم دیا کہ ان کے سر تلوار سے جدا کر دے۔"

"ان میں سے ایک نے پناہ مانگتے ہوئے کہا کہ غلاموں کو قتل نہ کر کیوں کہ گناہ تجھ سے ہی ہوا ہے۔"

"تو نے شروع ہی میں کیوں نہ بند کیا کہ چشمہ کی ابتدا تھی جب سیلاب بن گیا تو آگے بند کرنے سے کیا فائدہ۔"

"تو دل کا راز کسی پر ظاہر نہ کر کہ وہ خود ہر کسی کے سامنے کہے گا۔"

"موتیوں کو خزانچیوں کے سپرد کر دے لیکن اپنے راز کی خود حفاظت کر تو جب تک بات نہیں کہتا ہے تیرا اس پر قابو ہے جب کہہ دی جائے تو وہ تیرے اوپر قابو پا لے گی۔"

"دل کے کنویں میں بات قیدی دیو ہے اس کو تالو اور زبان پر نہ آنے دے۔"

"سرکش دیو کا راستہ کھولا جا سکتا ہے لیکن مگر اسے دوبارہ بند نہیں کیا جا سکتا۔"

"تو جانتا ہے جب دیو پنجرہ سے نکل گیا تو کسی کے لاحول پڑھنے سے واپس نہیں آتا ہے۔"

"اپنے رازوں کو دل کے قبرستان میں دفن کرنا ندامت و پشیمانی سے بچنے کا باعث ہے۔"

"کسی سے راز کی بات کہہ کر یہ کہنا کہ کسی اور سے نہ کرنا دراصل نادانی اور بے وقوفی ہے۔"

لہٰذا اے حضرت انسان! منہ سے نکلی ہوئی ہر بات پرائی ہوتی ہے اس لیے اپنے راز کو چھپا کر رکھ پھر بھی اگر کسی کو کسی دوسرے کا راز معلوم ہو جائے تو اس پر پردہ ڈالنا چاہیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کے رازوں پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا ہے۔

((عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِى الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندہ کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ اس کا عیب چھپائے گا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آپ کسی کا راز چھپائیں گے تو اللہ اس کا انعام یہ دیں گے کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کے گناہوں پر پردہ ڈالے گا پردہ ہی نہیں ڈالے گا بلکہ کل قیامت کو آپ کے تمام گناہ معاف فرمادے گا۔

دلیل:

((عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِى النَّجْوَى قَالَ يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ وَيَقُولُ عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَرِّرُهُ ثُمَّ يَقُولُ إِنِّى سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِى الدُّنْيَا فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ)) [2]

"سیدنا صفوان بن محرز رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما

---

[1] الصحيح المسلم، كتاب البر والصلة: ٦٥٩٥

[2] الصحيح البخارى، كتاب الادب: ٦٠٧٠

سے پوچھا کہ تم نے سرگوشی کے متعلق نبی ﷺ سے کس طرح سنا ہے انہوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص اپنے رب سے قریب ہوگا یہاں تک کہ اپنا ہاتھ اس پر رکھ کر فرمائے گا کہ تو نے فلاں فلاں کام کئے تھے وہ عرض کرے گا جی ہاں اس سے اقرار کرائے گا پھر فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہ پر پردہ ڈالا آج میں تم کو بخش دیتا ہوں۔''

اگر آپ نے کسی شخص کا عیب چھپایا ہو تو اس کو کبھی بھی ظاہر نہ کرے اور اگر کوئی شخص آپ کے سامنے آپ کے کسی مسلمان بھائی کی برائی کرے تو آپ اس کا دفاع کریں اور اس وجہ سے وہ آدمی جس کا آپ نے راز چھپایا ہے اور وہ آپ کا گرویدہ ہو جائے گا یعنی کہ آپ کی شخصیت اس کے لیے بہت زیادہ پسندیدہ بن جائے گی اور وہ ہر جگہ آپ کے بارے میں تعریفی کلمات کہے گا۔اور راز چھپانا اللہ تعالیٰ کی عظیم سنت بھی ہے۔

بالکل اس کے برعکس اگر آپ کسی کا راز ظاہر کریں گے تو وہ آدمی آپ سے شدید نفرت کرے گا جہاں تک کہ انسان راز جاننے والے کو بعض اوقات قتل کر دیتا ہے کہ کہیں وہ میرا راز دوسروں کے سامنے افشاں نہ کر دے۔مثلاً ایک چور رات کو جب چوری کرتا ہے اگر چوری کے دوران اس کو کوئی پہچان لے تو وہ اس شخص کو اس ڈر سے ہی قتل کر دیتا ہے کہ یہ میرا راز کھول دے گا اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

اس مثال سے معلوم ہوا کہ راز کے ظاہر کرنے والے سے انسان اتنی شدید نفرت کرتا ہے کہ یہ نفرت اس کو اس کے قتل پر ابھارتی ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی ذات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں تو پھر دوسروں کے راز کو کبھی بھی ظاہر نہ کریں ہاں اگر آپ نے کسی میں کوئی گناہ یا کوئی برائی دیکھی ہے تو اس کو کسی پر ظاہر کرنے کی بجائے اس کو تنہائی میں سمجھایئے کہ بھائی یہ کام صحیح نہیں ہے ایسا کام کرنے والے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کل قیامت کو یہ سزا دیں گے اور دنیا میں بھی اس کی یہ یہ خرابیاں ہیں۔لہٰذا اس گناہ سے توبہ کرلیں اور آئندہ کبھی بھی ایسا گناہ نہ کرنا اسطرح جس کو آپ تنہائی میں سمجھا رہے ہیں وہ

برا بھی محسوس نہیں کرے گا اور آپ سے نفرت میں نہیں اور یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلاح بھی کر لے اس لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ وَيَحُوطُهُ مِنْ وَرَائِهِ)) [1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مومن مومن کے لیے آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے۔ وہ اس کے مال کو ضائع نہیں کرتا اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔''

حدیث بتلا رہی ہے کہ مسلمان مسلمان کے لیے آئینے کی طرح ہے آئینے کی چند ایک خصوصیات ہیں: ایک یہ ہے کہ آئینہ صرف اس کو بتلاتا ہے جو آئینے کے سامنے آتا ہے کہ تیرے چہرے پر یہاں مٹی لگی ہوئی ہے یہاں کیل وغیرہ ہے یہاں پھنسی وغیرہ ہے اور وہ اپنے چہرے کو سنوار کر جب چلے جاتا ہے تو جو اس کے بعد میں آئینے کے سامنے آتا ہے تو آئینہ اس کو پہلے آدمی کے بارے میں ذرہ برابر بھی اطلاع نہیں دیتا کہ اس میں یہ یہ خرابی تھی کیوں کہ آئینے کی یہ خصوصیت ہے کہ جو اس کے سامنے آتا ہے اس کو اس کا چہرا دیکھاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے کا۔ بالکل مومن کی بھی اسی طرح ہے مومن صرف اسی کو اس کے عیب بتاتا ہے نہ کہ کسی دوسروں کو۔

یاد رکھیے!

اگر آپ کسی کے گناہوں کی ٹوہ میں لگ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو وہاں ذلیل ورسوا کرے گا جہاں آپ کی عزت ہوگی اور جو دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے اس آدمی کو خود اپنی پوری زندگی میں توبہ کرنے کی توفیق نہیں ملتی کیوں کہ وہ اپنے آپ کو حاجی ثناء اللہ سمجھ رہا ہے۔

چاہتے ہیں:

اگر آپ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لیے آپ کی شخصیت پسندیدہ بنے تو پھر دوسروں کی پردہ پوشی جیسے اعلیٰ ظرف کو اپنائیں۔

---

[1] سنن ابو داود، کتاب الادب : ٤٩١٠

5
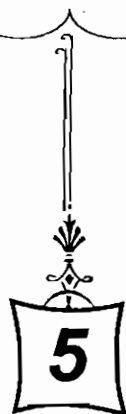
مجلس کے آداب

- دعوت ولیمہ کی مجلس کے آداب
- عام مجلس کے آداب
- دروسِ مجالس کے آداب

دعوت ولیمہ کی مجلس کے آداب

یقیناً دنیا کے ہر شخص کو ولیمہ کی دعوت میں کبھی نہ کبھی ضرور جانے کا اتفاق ہوا ہو گا اس لیے یہ ضروری تھا کہ ہر شخص نے ولیمہ کی مجلس کے آداب سیکھے ہوتے اس لیے میں اس حوالے سے چند ایک آداب قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کر رہا ہوں تاکہ ہم کو کبھی بھی ولیمہ کی مجلس میں کسی قسم کی شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا:

ہمیں جب کوئی ولیمہ کی دعوت دے تو ہمیں اس دعوت کو قبول ضرور کرنا چاہیے اور اس کے ولیمہ میں جا کر اس کو عزت بخشنی چاہیے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتُوا الدَّعْوَةَ إِذَا دُعِيتُمْ)) [1]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں دعوت دی جائے تو قبول کرو۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم کو کوئی دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو لیکن ہمیں بعض لوگ معاشرے میں ایسے دکھائی دیں گے جو بعض لوگوں کی دعوت ولیمہ کو رد کر دیتے ہیں صرف ان وجوہات کی بنا پر کہ وہ غریب ہے، یا پھر ان سے کوئی سیاسی اختلاف ہے، یا پھر ان سے ہماری لڑائی ہے، یا پھر وہ ہمارا شریکہ ہے، یا پھر یہ اس وجہ سے ولیمہ کی دعوت قبول نہیں

[1] الصحیح البخاری، کتاب النکاح: ۵۱۷۳۔ جامع ترمذی: ۱۰۹۰

کرتے کہ اس نے اپنے پہلے بیٹے کے ولیمہ پر تو مجھے بلایا نہیں، یا پھر اس وجہ سے کہ اس نے تو ہماری شادی پر نیوندا ہی کم ڈالا تھا، یا پھر اس وجہ سے کہ ہم نے تو بلایا تھا یہ آئے نہیں تو ہم کیوں ان کی ولیمہ کی دعوت قبول کریں۔ یاد رکھیے! جس طرح آپ کو ان سے نفرت ہوئی اسی طرح اگر آپ بھی ان کی دعوت ولیمہ کو قبول نہیں کریں گے تو ان کو بھی آپ سے نفرت ہو جائے گی اور وہ آپ کی شخصیت کو کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔

بن بلائے ولیمہ میں نہیں جانا چاہیے:

اکثر آپ نے ولیمہ کی مجالس میں دیکھا ہوگا کہ کچھ لوگ بن بلائے کسی کے ولیمہ میں آ جاتے ہیں، یاد رکھیے! یہ بہت بری چیز ہے اور ایسا کرنے والا اپنی عزت نفس کھو بیٹھتا ہے۔ مثلاً آپ کسی ایسی دعوت ولیمہ میں چلے جاتے ہیں جنھوں نے آپ کو نہیں بلایا اور ان کو یہ معلوم ہو جائے اور وہ اتنی بڑی مجلس میں صرف اتنا کہہ دیں کہ ہم نے تو آپ کو بلایا نہیں آپ کہاں منہ اٹھا کر آ گئے ہیں تو بتلایئے آپ کے پاس کیا رہ جائے گا یا پھر آپ کی فیملی میں سے کسی ایک فرد کو بلایا ہو اور آپ دو افراد چلے جائیں اگر وہ صرف اتنا کہہ دیں کہ میں نے صرف ایک کو بلایا تھا اور آپ سارا خاندان لے آئیں ہیں تو ایمان سے بتائیں کیا آپ کی کچھ عزت باقی رہ جائے گی؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے کہ ''ہرگز نہیں''

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

عزت نفس جس سے زخمی ہو
دھوپ بہتر ہے ایسی چھاؤں سے

یاد رکھیے! ایسی روٹی سے بھوک بہتر ہے جس سے عزت نفس زخمی ہو

اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے بن بلائے ولیمہ میں جانے سے منع فرمایا ہے۔

((عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ إِلَى غُلَامٍ لَهُ لَحَّامٍ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً فَإِنِّي رَأَيْتُ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ

قَالَ فَصَنَعَ طَعَامًا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُ وَجُلَسَائَهُ الَّذِينَ مَعَهُ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ حِينَ دُعُوا فَلَمَّا انْتَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْبَابِ قَالَ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ إِنَّهُ اتَّبَعَنَا رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَنَا حِينَ دَعَوْتَنَا فَإِنْ أَذِنْتَ لَهُ دَخَلَ قَالَ فَقَدْ أَذِنَّا لَهُ فَلْيَدْخُلْ)) [1]

''سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جس کا نام ابو شعیب تھا وہ اپنے غلام لحام کے پاس آیا اور اسے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا پکاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں غلام نے کھانا پکایا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نشینوں سمیت بلوایا پس آپ کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی چل دیا جو دعوت دینے کے وقت موجود نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعوت دینے والے کے دروازے پر پہنچے تو اس سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو دعوت دیتے وقت موجود نہیں تھا اگر تم اجازت دے دو تو وہ بھی آجائے ابو شعیب نے عرض کیا ہم نے اجازت دی وہ بھی آجائے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نہ بلائے تو نہیں جانا چاہیے اگر خاص رشتے دار بھی ولیمہ پر نہ بلائے تو ناراض نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ رشتہ داروں سے قطع تعلقی کرنا بری بات ہے اور شریعت اسلامی میں اس شخص کے لیے بڑی وعید ہے جو رشتہ داری توڑتا ہے صرف ایک کھانے کے لیے جس کا مزا صرف زبان تک محدود ہے، قطع تعلقی نہ کریں اس سے آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے نفرت کا باعث بنے گی۔

سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی شادی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلایا جو ساری کائنات کے سردار ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سیدنا عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے ناراض نہیں ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] جامع ترمذی، کتاب النکاح: ۱۰۹۱

نے سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو برکت کی دعا دی دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هَذَا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ فَبَارَكَ اللَّهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ)) [1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف پر زردی کے نشان دیکھے تو فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک عورت سے گٹھلی کھجور کے ہم وزن سونے پر شادی کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تیرے لئے مبارک کرے! ولیمہ کر چاہے ایک بکری سے ہی ہو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شادی میں نہیں بلایا تھا اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ پر زردی دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے؟''

ولیمہ میں کھانے کے آداب:

اگر ہمیں کسی نے ولیمہ کی دعوت دی ہے تو ہمیں ضرور جانا چاہیے اور کھانا کھاتے وقت تہذیب کے پہلو کو مت نظر انداز کریں، کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئیں تاکہ آپ تمام جراثیم سے پاک کھانا کھاسکیں اس کے بعد دیکھیں اگر کھانا شروع نہیں ہوا تو اس کا اطمینان کے ساتھ انتظار کریں اور جب کھانا شروع ہو جائے تو بے صبری کے ساتھ کھانے پر مت ٹوٹ پڑیں جیسے بکریوں کا باڑہ کھولا ہو بلکہ بڑے ہی سکون کے ساتھ اٹھیں اور پلیٹ میں جو بھی چیز ڈالیں کم ڈالیں تاکہ آپ آسانی کے ساتھ کھاسکیں اور ضائع مت کریں اس لیے کہ جس بھائی نے آپ کو ولیمہ کی دعوت دی ہے اگر اس نے اپنے ولیمہ میں 100 آدمیوں کو دعوت دی ہے تو

[1] الصحیح المسلم کتاب النکاح: ۳۴۹۰

اس نے کم از کم 125 آدمیوں کے کھانے کا بندوبست کیا ہوگا اور دائیں ہاتھ کے ساتھ کھائیں بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں جیسا کہ حدیث میں ہے۔

((أَبِي نُعَيْمٍ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ وَمَعَهُ رَبِيبُهُ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ فَقَالَ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ))❶

''سیدنا ابونعیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا نام لے (بسم اللہ پڑھ اور) اپنے آگے سے کھا۔''

اگر بسم اللہ شروع میں بھول جائے تو پھر یہ دعا پڑھیں۔

''بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَ آخِرَهُ''❷

''اللہ کے نام کے ساتھ اس (کھانے) کے شروع میں بھی اور آخر میں بھی''

آپ یقین کریں ولیمہ کی دعوت میں بڑے پڑھے لکھے لوگ بھی جانوروں کی مانند کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بعض لوگ تو یوں کھاتے ہیں جیسے ان کی زندگی کا آخری کھانا ہو اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تہذیب ان لوگوں کے پاس سے بھی نہیں گزری۔

غالباً 2002ء کی بات ہے کہ میں لاہور میں ایک ولیمہ میں موجود تھا جب کھانا شروع ہوا تو لوگ اس طرح کھانے پر لپکے کہ جیسے یہ لوگ کئی دنوں کے بھوکے ہیں اس دوڑا دوڑی میں کچھ لوگ میز کے ساتھ ٹکرا گئے اور میز پر پڑے شیشے کے گلاس ٹوٹ گئے یعنی کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی کھانے کے وقت اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے اگر آپ دو یا دو سے زیادہ مل کر کھا رہے ہیں تو اپنے سامنے سے کھائیں اور ہمیشہ کھانا کھاتے وقت پیٹ کے تین حصے کریں ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک حصہ پانی پینے کے لیے اور ایک حصہ بھوک باقی رکھیں اور کبھی بھی یہ مت

❶ الصحیح البخاری، کتاب الاطعمة، باب التسمیه علی الطعام : ٥٣٧٦
❷ ابو داود، کتاب الاطعمة، باب التسمیة علی الطعام : ٣٧٦٧

سوچیں کہ مال پرایا ہے کیوں کہ پیٹ تو آپ کا اپنا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِی کَرِبَ الْکِنْدِیَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ حَسْبُ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ طَعَامٍ وَثُلُثٌ شَرَابٍ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ)) [1]

''حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ بدترین کسی برتن کو نہیں بھرا، حالانکہ ابن آدم کے لیے تو اتنے لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھ سکیں، اگر زیادہ کھانا ہی ضروری ہو تو ایک تہائی کھانا ہو، ایک تہائی پانی ہو اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے ہو۔''

انسان بھی عجیب ہے جب کوئی برتن بھرتا ہے تو اس کو ذرا کم رکھتا ہے مثلاً گلاس میں پانی ڈالے تو اس کو مکمل نہیں بھرتا اسی طرح چائے کے کپ کو بھی مکمل نہیں بھرتا بلکہ کناروں سے ذرا کم رکھتا ہے لیکن انسان جب اپنے پیٹ والا برتن بھرتا ہے تو اس کو کناروں سے بھی اوپر بھر لیتا ہے جس کی وجہ سے پھر انسان مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بھی کیوں خوب کہا ہے:

تنور شکم دمبدم تا فتن
مصیبت بود رو زنا یا فتن
به تنگی بر یزاندت روئیے رنگ
چو وقت فراخی کنی معده تنگ
کشد مردپُر خواره بار شکم

[1] مسند احمد، ۱۷۳۱۸/۷۔ جامع ترمذی: ۲۳۸۰

وگر در نیابد کشد بار غم
شکم بدہ بسیار بینی خجل
شکم پیش من تنگ بهتر که دل

''جو پیٹ کے تنور کو گرم رکھتا ہے نہ ملنے پر مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

''تنگی کے وقت چہرے کا رنگ بگاڑ دے گا اگر فراخی کے وقت معدے کو پر رکھے گا۔''

''بسیار خور کو پیٹ کا بوجھ مار ڈالتا ہے اور اگر نہیں ملتا تو غم کا بوجھ مار ڈالتا ہے۔''

''پیٹ کے غلام کو تو بہت شرمندہ دیکھے گا میری رائے میں بھوکا پیٹ تنگ دل سے اچھا ہے۔''

بسیار خور ہمیشہ ذلالت ورسوائی کا منہ دیکھتا ہے کیوں کہ پیٹ کی پوجا کے لیے وہ اپنا سب کچھ نچھاور کر سکتا ہے حتیٰ کہ اس کو جان بھی دینی پڑے تو دے جاتا ہے یاد رہے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی پُر کرتی ہے لہٰذا بسیار خور کو مرنے سے پہلے نہیں مرنا چاہیے۔

شکم بند دستست و زنجیر پائے
شکم بندہ نادر پرستد خدائے

''پیٹ ہاتھ کی بیڑی اور پیر کی زنجیر ہے پیٹ کا بندہ خدا کی عبادت کم کرتا ہے۔''

اس لیے ہمیشہ اتنا کھانا کھاؤ جس سے کمر سیدھی ہو سکے اور تمھیں اٹھائے پھرے اتنا کھانا مت کھائیں جس کو تم اٹھائے پھرو۔

کھانا کھانے کے بعد زیادہ دیر میزبان کے گھر مت بیٹھو اور جلد ہی اس سے اجازت لے کر چلے جاؤ دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ مَقْدَمَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَكَانَ أُمَّهَاتِي يُوَاظِبْنَنِي عَلَى خِدْمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَخَدَمْتُهُ عَشْرَ سِنِينَ وَتُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ عِشْرِينَ سَنَةً فَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ وَكَانَ أَوَّلَ مَا أُنْزِلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا عَرُوسًا فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنْ الطَّعَامِ ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِيَ رَهْطٌ مِنْهُمْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَطَالُوا الْمُكْثَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ لِكَيْ يَخْرُجُوا فَمَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَشَيْتُ حَتَّى جَاءَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا دَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَقُومُوا فَرَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى إِذَا بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَظَنَّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ بِالسِّتْرِ وَأُنْزِلَ الْحِجَابُ)) [1]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے اس وقت میری عمر دس سال کی تھی، میری والدہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے ہمیشہ کہتی تھی، چنانچہ میں نے دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور جب آپ کی وفات ہوئی، تو میں بیس برس کا تھا، حجاب کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی، اس سے میں خوب واقف ہوں اور اول شان نزول آیت حجاب شب زفاف سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہے، جس صبح کو رسول

[1] الصحیح البخاری، کتاب النکاح: ٥١٦٦

اللہ ﷺ کی سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دلہن بنیں، تو آپ نے اپنی قوم کو کھانا کھلایا، کھانے کے بعد اکثر تو ان میں سے چلے گئے، مگر ان میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے رہے اور انہوں نے بڑی دیر لگائی، آپ ﷺ اٹھ کر باہر چلے گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اس خیال سے نکل گیا کہ شاید لوگ بھی چلے جائیں، آنحضرت ﷺ اور میں ٹہلتے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس آئے، تو خیال کیا، وہ لوگ چلے گئے ہوں گے، آپ پھر واپس آئے اور آپ کے ہمراہ میں بھی آیا، جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو دیکھا وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہیں، آپ ﷺ پھر واپس آئے اور میں بھی آیا، جب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی چوکھٹ کے پاس پہنچے اور گمان کیا کہ وہ چلے گئے ہوں گے، تو آپ پھر تشریف لائے، آپ کے ساتھ میں بھی تھا، اب معلوم ہوا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں، آپ ﷺ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ ڈال دیا (تب ہی) پردہ کی آیت نازل ہوئی۔''

ولیمہ کی دعوت کھانے کے بعد بھی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہاں کافی دیر بیٹھے رہے تو نبی کریم ﷺ ان کو حیا کی وجہ سے کچھ نہ کہہ پا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ولیمہ کی دعوت کے آداب سکھا دیئے اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ ﴾

(الاحزاب : ۵۳/۳۳)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر یہ کہ تمھیں کھانے کی طرف اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو اور لیکن جب تمھیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور نہ (بیٹھے رہو) اس حال میں کہ بات میں دل لگانے والے ہو۔ بے شک یہ بات ہمیشہ سے نبی کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ حق سے شرم نہیں کرتا اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے“

یاد رکھیے!

کھانا کھانے کے دوران کبھی بھی کوئی نازیبا حرکت مت کریں مثلاً لوگوں کے درمیان بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ریح خارج کرنا یا پھر کھانا کھاتے وقت گندگی کا ذکر کرنا وغیرہ۔

عام مجلس کے آداب

عام مجلس سے مراد یہ ہے کہ کہیں بھی چار افراد مل کر بیٹھے ہوں یعنی آپ اپنے دوستوں میں بیٹھے ہوں یا پھر کسی پنچائت میں بیٹھے ہوں یا پھر آپ اپنے گھر کے افراد کے ساتھ بیٹھے ہوں تو ان تمام صورتوں میں مجلس کے کچھ آداب ہیں جن کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

اگر آپ اپنے دوستوں کی مجلس میں جاتے ہیں یا کسی پنچائت میں جاتے ہیں تو سب سے پہلے مجلس والوں کو سلام کہیں اور اگر آپ مجلس میں کسی ایک سے مصافحہ کرتے ہیں تو مجلس میں موجود باقی تمام افراد سے بھی مصافحہ کریں اور پھر جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں کسی دوسرے بھائی کی جگہ پر مت بیٹھیں اور اگر وہ کسی کام کے لیے اٹھ کر جاتا ہے تب بھی اس کی جگہ پر مت بیٹھیں اور اگر آپ کو مجلس میں کہیں جگہ مل جائے یا پھر کوئی شخص آپ کو مجلس میں جگہ دیتا ہے تو اس نے آپ پر مہربانی کی ہے اور اس مہربانی کا جواب اچھے انداز میں دیں نہ کہ آپ اس انداز میں بیٹھیں کہ آپ دوسروں کو تنگ کر دیں۔

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ آخَرُ وَلَكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسَ مَكَانَهُ))[1]

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا دیا جائے تا کہ اس جگہ پر

[1] الصحيح البخاري، كتاب الاستيذان : ٦٢٧٠

دوسرا آدمی بیٹھ جائے لیکن جگہ دے دو اور کشادگی پیدا کردو۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی شخص اپنی بیٹھنے کی جگہ سے اٹھایا جائے، پھر اس کی جگہ پر آپ بیٹھ جائے۔"

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ وَهْبِ بْنِ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّجُلُ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ وَإِنْ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ عَادَ فَهُوَ أَحَقُّ بِمَجْلِسِهِ)) [1]

"حضرت وہب بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ اگر وہ کسی ضرورت کے لئے اٹھ کر جائے اور پھر واپس آئے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔"

مجلس کے تمام افراد میں سے کسی ایک کا بھی مذاق مت اڑائیں کیوں کہ مذاق اڑانا یا مذاق کرنا جاہلوں کا کام ہے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ (البقرة : ٢/٦٧)

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، انھوں نے کہا کیا تو ہمیں مذاق بناتا ہے؟ کہا میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا مذاق اڑانا جاہلوں کا کام ہے اس لیے ہمیں مجلس میں کسی ایک کا بھی مذاق نہیں اڑانا چاہیے مجلس میں بیٹھے ہوئے کبھی بھی ہوا خارج نہ کریں اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئے تو مجلس سے تھوڑا دور چلے جائیں تاکہ دوسرے لوگ آپ کی اس

[1] جامع ترمذی، کتاب الادب : ٦٥٣

حرکت کی وجہ سے تنگ نہ ہوں اور یقیناً اگر مجلس میں کبھی انسان سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے تو انسان کو شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے اور اگر اچانک مجلس میں سے کسی ایک شخص سے ایسی حرکت ہو جائے تو اس پر مت مسکرائیں۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنِ الضِّحْكِ مِنَ الضَّرَاطَةِ))[1]

''سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوا خارج ہونے والے پر ہنسنے سے منع کیا ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی اچانک ہوا خارج ہو جائے تو اس کا مذاق اڑا کر مزید اس کو شرمندہ مت کریں۔

مجلس میں بیٹھے اگر آپ کو چھینک آئے تو منہ کے آگے ہاتھ رکھیں اور چھینک کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہیں اور مجلس میں بیٹھے باقی لوگوں پر یہ حق ہے کہ وہ بھی یرحمك اللّٰه کہیں (یعنی اللہ تجھ پر رحم کرے)۔

اگر آپ کو کھانسی آئے تب بھی اپنے منہ کے آگے ہاتھ رکھیں اگر تین لوگوں کی مجلس ہو تو ان میں سے دو آپس میں سرگوشی نہ کریں کیوں کہ تیسرا سمجھتا ہے کہ شاید یہ لوگ میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں اسی لیے تو اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لوگ ہوں تو ان میں سے دو کو آپس میں سرگوشی سے منع فرمایا ہے:

دلیل یہ آیت ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَنَٰجَيۡتُمۡ فَلَا تَتَنَٰجَوۡاْ بِٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡعُدۡوَٰنِ وَمَعۡصِيَتِ ٱلرَّسُولِ وَتَنَٰجَوۡاْ بِٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰۖ ﴾ (المجادلة : ٥٨/٩)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور

[1] مجمع الزوائد : ٢١٢/١ـ المعجم الاوسط : ١٦٤/٩

رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو اور نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو"

دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةٌ فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ)) [1]

"حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی ہوں، تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں۔"

اور مجلس میں بیٹھ کر کبھی بھی کسی دوسرے کا راز نہ فاش کرو ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی پردہ پوشی کرو۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِرًّا فَمَا أَخْبَرْتُ بِهِ أَحَدًا بَعْدَهُ وَلَقَدْ سَأَلَتْنِي أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَا أَخْبَرْتُهَا بِهِ)) [2]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کی بات کہی تو میں نے آپ کے بعد کسی سے اس کو بیان نہیں کیا، مجھ سے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کے متعلق پوچھا تو ان کو بھی میں نے نہیں بتایا۔"

اور خود اپنے گناہ کو بھی اپنے دوستوں کی مجلس میں خوب ہنس ہنس کر بیان مت کریں ایسا انسان اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہوتا ہے لوگ بھی اس کی شخصیت کو ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ جب وہ خود اپنے آپ کو برا کہہ رہا ہے تو لوگ بھی اسے برا ہی سمجھیں گے اور یاد رکھیے! لوگ خود بھی ایسے شخص سے دور رہیں گے اور اپنی اولاد کو بھی اس طرح کے شخص سے دور رکھیں گے، اسی لیے

[1] الصحيح البخاري، كتاب الاستيذان : ٦٢٨٨

[2] الصحيح البخاري، ٣كتاب الاستيذان : ٦٢٨٩

اگر آپ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس گناہ کو پردے میں رکھتا ہے تو آپ بھی اپنے گناہ کو پردے میں رکھیں تا کہ لوگ آپ کی شخصیت کو نفرت کی نظر سے نہ دیکھیں اسی لیے نبی اکرم جناب محمد ﷺ نے انسان کو اپنے گناہوں سے پردہ کھولنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

((أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَاةٌ إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ وَإِنَّ مِنْ الْإِجْهَارِ أَنْ يَعْمَلَ الْعَبْدُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ قَدْ سَتَرَهُ رَبُّهُ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ قَدْ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ فَيَبِيتُ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ)) [1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمایا کہ میری ساری امت کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے سوائے ان گناہوں کے جو اعلانیہ (یعنی کھلم کھلا گناہوں کے۔ وہ معاف نہیں کئے جائیں گے وہ یہ کہ بندہ رات کو کوئی گناہ کرتا ہے پھر صبح کو اس کا پروردگار اس کے گناہ کی پردہ پوشی کرتا ہے لیکن وہ دوسرے لوگوں سے کہتا ہے اے فلاں! میں نے گزشتہ رات ایسے ایسے گناہ کیا اور رات گزاری پروردگار نے تو اسے چھپایا اور ساری رات پردہ پوشی کی لیکن صبح ہوتے ہی اس نے اس گناہ کو ظاہر کر دیا جسے اللہ عزوجل نے چھپایا تھا۔''

اور اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہو یا آپ نے ویسے ہی مجلس سے جانا ہو تو باقی ساتھیوں سے رخصت مانگیں اس سے آپ کی عزت وتکریم میں اضافہ ہوگا اور آپ کی شخصیت بھی دوسروں کے لیے پسندیدہ ہوگی۔

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ

[1] الصحيح المسلم، كتاب الذهد : ٧٤٨٥

لَمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

(النور : ٢٤/٦٢)

''مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ اس کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جو جمع کرنے والا ہے تو اس وقت تک نہیں جاتے کہ اس سے اجازت مانگیں۔ بے شک جو لوگ تجھ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو جب وہ تجھ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے تو چاہے اجازت دے دے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ، بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اگرچہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے خاص تھی کہ جب بھی وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوں تو اگر جانا ہو تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کریں لیکن آج ہم بھی اگر اس اصول کو اپنا لیں تو ہماری شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی یعنی جب ہم بھی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو جب جانے کی ضرورت ہو تو مجلس والوں سے اجازت طلب کریں اور اگر تمام لوگوں نے ہی مجلس کو چھوڑنا ہو تو کفارہ مجلس کی دعا پڑھیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور فضول باتیں کرتا رہے پھر اٹھنے سے پہلے یہ کلمات پڑھے تو اس شخص سے اس مجلس میں جس قدر گناہ ہوئے ہیں وہ سب بخشے جائیں گے وہ کلمات یہ ہیں:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ)) [1]

[1] جامع ترمذی : ۲/۱۸۱.

''(تیری ذات پاک ہے، اے اللہ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں''

یہ دعا پڑھ کر پھر ایک دوسرے سے معذرت کرلیں کہ بھائیو! اگر مجھ سے کسی قسم کی کوئی غلطی ہوئی ہے یا پھر میں نے آپ میں سے کسی کا دل دکھایا ہے تو خدا کے لیے مجھے معاف کردیں۔

نوٹ:

میں نے اوپر جو مجلس کے آداب ذکر کیے ہیں اگر ہم ان کو ملحوظ خاطر رکھ لیں تو ہماری شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ بن جائے گی۔ان شاء اللہ۔

دروسِ مجالس کے آداب

دروس کی مجالس میں کلاس روم، جمعہ کا اجتماع، عیدین کے خطبوں پر لوگوں کا اجتماع اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے دروس شامل ہیں ان کے چند آداب زیر قلم ہیں:

اگر گرمیوں کے دن ہیں اور آپ نے کلاس روم یا پھر جمعہ کے اجتماع یا عیدین کے اجتماع میں جانا ہو تو ضرور نہا کر اور اچھے کپڑے پہن کر جائیں اور کوئی خوشبو بھی ضرور استعمال کریں کیوں کہ گرمیوں میں انسان کو پسینہ آتا ہے اور بعض لوگوں کے پسینے سے ناگوار بو آتی ہے اگر نہائے بغیر ہی مجلس میں آ گئے اور آپ سے پسینہ کی بو بھی آتی ہوئی تو پھر یاد رکھیے! آپ کے نزدیک کوئی بھی بیٹھنا پسند نہیں کرے گا اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی شخصیت کو پسند کریں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ نہا کر اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں آئیں:

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ)) [1]

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی نماز کیلئے آئے تو چاہیے کہ غسل کر لے۔''

دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ

[1] الصحیح المسلم، کتاب الجمعه: ۱۹۵۲

رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَسِوَاكٌ وَيَمَسُّ مِنَ الطِّيبِ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ)) [1]

"سیدنا عبدالرحمن بن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر احتلام والے پر غسل کرنا اور مسواک کرنا اور طاقت کے مطابق خوشبو لگانا ضروری ہے"

اور جب ان میں سے کسی بھی مجلس میں جائیں تو السلام علیکم! کہیں اور جہاں جگہ ملے وہاں بیٹھ جائیں لوگوں کے کندھے پھلانگ کر مت آگے جائیں ہاں اگر آگے جانے کی جگہ ہو تو پھر آپ جا سکتے ہیں۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا إِلَى جَانِبِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ جَاءَ رَجُلٌ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ)) [2]

"سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دور میں ایک شخص حاضر ہوا لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ کیونکہ تم نے لوگوں کو سخت تکلیف پہنچائی۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے کندھوں کے اوپر سے پھلانگ کر جانا مجلس کے آداب کے خلاف ہے اور اس بری حرکت سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیے جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ إِذْ أَقْبَلَ

---

[1] الصحیح المسلم، کتاب الجمعه : ۱۹۶۰

[2] سنن نسائی، کتاب الجمعه : ۱۴۳۰

نَفَرٌ ثَلَاثَةٌ فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ))[1]

”حضرت ابوواقد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھنے والے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھے کہ تین آدمی آئے ان میں سے دو تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک چلا گیا۔ وہ دونوں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے ان میں سے ایک نے مجلس میں جگہ دیکھی تو وہاں جا کر بیٹھ گیا اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا تو چل ہی دیا جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کیا میں تمھیں ان تین آدمیوں کے بارے میں خبر نہ دوں کہ ان میں سے ایک نے اللہ سے جگہ طلب کی تو اللہ نے اسے جگہ دے دی دوسرے نے (لوگوں میں گھسنے سے) حیاء کی اللہ نے بھی اس سے حیاء کی اور تیسرے نے اعراض کیا پس اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔“

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا اگر آپ مجلس میں آئیں اور صف میں جگہ پائیں تو بیٹھ جائیں ورنہ تو پیچھے بیٹھیں۔

مجلس میں بیٹھے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مجلس میں کشادگی رکھیں تاکہ آنے والوں کو بھی مجلس میں بیٹھنے کی جگہ مل جائے اور کسی کا دل جیتنے کے لیے بھی یہ بڑی بات ہے کہ آپ اس کو اپنے ساتھ مجلس میں جگہ دیں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ مجلس میں

[1] الصحیح المسلم، کتاب السلام: ٥٦٨١

کشادگی پیدا کریں گے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں حکم دیا ہے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو۔ دلیل یہ آیت ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ ﴾ (المجادلة : ٥٨/١١)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل جاؤ تو کھل جاؤ، اللہ تمھارے لیے فراخی کر دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جاؤ، اللہ ان لوگوں کو درجوں میں بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم دیا گیا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، پوری طرح باخبر ہے۔''

اس آیت سے ایک نکتہ یہ معلوم ہوا کہ جب ہم تعلیم و تربیت کی مجالس میں کشادگی پیدا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں علم کے لیے ہمارے سینوں کو کھول دیں گے اور علم کا حصول ہم پر آسان ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ مجلس کلاس روم کی شکل میں ہے یا پھر جمعہ کے اجتماع کی صورت میں ہے تو ہم کو بیان کرنے والے کی باتوں کو غور سے سننا چاہیے چاہے وہ استاد ہو یا پھر کوئی عالم کیوں کہ یہ بات بھی آداب مجلس میں سے ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَمَا أُمِرَ ثُمَّ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ حَتَّى يَأْتِيَ الْجُمُعَةَ وَيُنْصِتُ حَتَّى يَقْضِيَ صَلَاتَهُ إِلَّا كَانَ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهُ مِنَ الْجُمُعَةِ)) [1]

''سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جو شخص

[1] سنن نسائی، کتاب الجمعة : ٢٤٠٦

جمعہ کے دن حکم کے مطابق اپنے آپ کو پاک کرے۔ پھر اپنے مکان سے نکلے اور نماز جمعہ میں حاضر ہو اور وہ خاموش رہے نماز ہونے تک تو اس کے اگلے جمعہ تک کے گناہ معاف ہو جائیں گے''

اس حدیث سے ثابت ہوا چاہے کلاس روم میں استاد لیکچر دے رہا ہو یا پھر عالم درس دے رہا ہو تو خاموشی کے ساتھ سننا چاہیے، سیدھی بات ہے اگر آپ خاموشی سے کسی مستند عالم کی بات سنتے تو شاید اس کی کوئی بات آپ کے دل میں اتر جائے اور آپ کی آخرت سنور جائے۔ بالکل اسی طرح اگر ایک طالب علم اپنے استاد کا لیکچر توجہ سے سنیں تو یقیناً وہ اپنے امتحانات میں کامیاب ہو جائے گا اور اگر آپ عالم دین کے وعظ کو خاموشی سے نہیں سنیں گے تو اس کا پہلا نقصان یہ ہو گا کہ قرآن و حدیث کی کوئی بات بھی آپ پر اثر انداز نہ ہو گی، دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ کل قیامت کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

(الملك : ٦٧/١٠)

''اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا سمجھتے ہوتے تو بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے۔''

اور مجلس میں کوئی بھی ایسی حرکت مت کریں جس سے تمام توجہ لیکچر سے ہٹ کر یا پھر وعظ سے ہٹ کر آپ کی طرف ہو جائے۔

یاد رکھیے! ایسی حرکت مجلس میں کبھی نہ کریں جس سے کسی کو ذرا برابر بھی تکلیف ہو اور آپ کی شخصیت اس کے لیے ناپسندیدہ بن جائے۔

اصول اپنائیں:

اوپر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مجلس میں بیٹھنے کے اصول قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیے ہیں ان اصولوں کو اپنائیں اور اپنی زندگی کو خوبصورت بنائیں تاکہ لوگ آپ کی شخصیت کے گرویدہ ہو جائیں اور آپ محفل کی جان بن جائیں۔

6

صبر کیجیے ورنہ............

- محبوب بچھڑ جائے
- غم کی حقیقت
- غم کا اظہار
- سخت اذیت
- بعض دکھ نعمت
- اذیت پسند افراد

محبوب بچھڑ جائے

زندگی محبت کا آغاز ہے، لیکن موت اس کا انجام نہیں، ہم جنھیں پیار کرتے ہیں وہ مر کر بھی ہماری یادوں اور خیالوں سے نہیں جاتے اور وہ ہمیشہ ہماری یادوں میں زندہ رہتے ہیں۔ اسی لیے بعض اوقات کسی کی موت کا صدمہ ہم پر مختلف نفسیاتی اثرات مرتب کرتا ہے بعض لوگ اپنے پیاروں کی محبت میں ان کی موت پر اتنے رنجیدہ ہوتے ہیں کہ ان کی موت کا صدمہ برداشت نہیں کر پاتے اور خود بھی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں، بعض لوگ اپنے پیاروں کی موت پر اتنے غمگین ہو جاتے ہیں کہ وہ اس صدمے کو بھلا ہی نہیں پاتے اور پاگل پن کا شکار ہو جاتے ہیں، بعض لوگ اپنے پیاروں کی موت کے غم میں مختلف نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کچھ لوگ صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور آہستہ آہستہ موت کے صدمے کے زخم کو مندمل کر لیتے ہیں۔

بعض لوگ مصیبت کے وقت صبر کے دامن کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ صدمہ ان کو نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا کر دیتا ہے ان کے لیے یہ مضمون ان شاء اللہ ضرور راہنمائی کرے گا۔

غالب نے کہا تھا کہ قید حیات و بند وغم اصل میں دونوں ایک ہیں اور آدمی کو موت سے پہلے ان سے نجات نہیں مل سکتی موت کو ہم اٹل مانتے ہیں اور دنیا کا ہر شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے چاہے وہ کسی بھی قوم کا ہو، کسی بھی مذہب کا ہو یا کسی بھی علاقہ کا ہو کہ موت ایک حتمی چیز ہے اور ہر جاندار کو آ کر رہے گی اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ (آل عمران : ۱۸۵/۳)

’’ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور تمھیں تمھارے اجر قیامت کے دن ہی پورے دیے جائیں گے، پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

دوسری دلیل یہ آیت ہے:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ ﴾

(الرحمن : ۵۵/۲۶، ۲۷)

’’ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔‘‘

ہم موت کو ناگزیر سمجھتے ہیں یہ جانتے ہیں کہ اس صدمہ کو بہر حال برداشت کرنا ہے اور ہر ایک کو کرنا ہے کوئی انسان اس سے گریز نہیں کر سکتا پھر بھی موت کے تصور سے خوف زدہ رہتے ہیں جیسے غالب کا کہنا ہے:

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

معاشرے میں موت کے ذکر کو معیوب سمجھا جاتا ہے جیسے ذکر نہ کرنے سے موت ٹل جائے گی ہم میں سے ہر کوئی اپنی محبوب شخصیتوں کی موت سے ڈرتا ہے لیکن موت زندگی کی ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں اور ہم سب یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حیات ابدی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (العنکبوت : ۲۹/۶۴)

”اور دنیا کی یہ زندگی نہیں ہے مگر ایک دل لگی اور کھیل، اور بے شک آخری گھر، یقیناً وہی اصل زندگی ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے اور اس دنیا کی زندگی فانی ہے لیکن یہ زندگی اس قدر حسین اور خوبصورت ہے کہ اس کی راحتیں اس کی محبتیں اور جنھیں ہم پیار کرتے ہیں ان کی قربتیں ہمیں پیاری ہوتی ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ موت برحق ہے، ہم اپنے پیاروں کی جدائی برداشت نہیں کرتے ہم ان کی موت پر آنسو بہاتے ہیں، ان کی جدائی کے غم میں نڈھال رہتے ہیں، ان کی یاد ہمارے سینے میں درد وغم کی کسک پیدا کرتی ہے، یہ سب کچھ فطری ہے شاید اسی لیے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانا منع ہے کہ عورت اپنے جوان بیٹے کو کبھی لحد میں نہ تو خود اتارے گی اور نہ کسی دوسرے کو اتارنے دے گی اور اگر اپنے بیٹے کو قبر میں دفن کرے گی تو ساتھ خود بھی قبر میں دفن ہونے کا اصرار کرے گی اس کے باوجود وقت آہستہ آہستہ ہمارے زخم کو مندمل کر دیتا ہے ہم اپنے پیاروں کو اوران کی جدائی کو بھولتے تو نہیں لیکن صبر ضرور آ جاتا ہے۔

صبر کے طریقے:

اپنے اندر صبر پیدا کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

پہلا طریقہ:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر صبر پیدا کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی موت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر آج یہ مرا ہے تو کل ہمیں بھی موت سے دو چار ہونا ہے، اگر آج اس کا نام مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے گونجا ہے تو کل ہمارا بھی نام گونجے گا اور اگر آج اس کا جنازہ ان گلیوں سے گزرا ہے تو کل ہمارا بھی گزرے گا۔

دوسرا طریقہ:

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا ہم سے اپنی امانت لے لے گا۔

تیسرا طریقہ:

تیسرا طریقہ جب بھی کسی کی موت کے صدمہ سے دو چار ہونا پڑے ہمیں صبر کے لیے قرآن کا سہارا لینا چاہیے۔

چوتھا طریقہ:

چوتھا طریقہ ہمیں اپنے کسی محبوب کی موت کے صدمے کو خدا کی مرضی سمجھ کر قبول کرنا چاہیے بے شک جدائی کا صدمہ بڑا اذیت ناک ہوتا ہے لیکن انسان اس سلسلے میں اپنے رب کی مرضی کا پابند ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور حیات بعد الموت بھی۔

پانچواں طریقہ:

پانچواں طریقہ عبادات غم کو برداشت کرنے کا بہترین سہارا ہیں۔

اس طرح ہم اپنے آپ کو ہر طرح کی نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہونے سے بچا سکتے ہیں اور اگر ہم نے صدمے پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تو صدمے پر قابو پانا آسان ہو جائے گا، لیکن اگر ہم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو پھر یہ صدمہ ہمارے لیے ایک بیماری بن جائے گا، یاد رکھیں! اپنے کسی عزیز، دوست یا رشتہ دار کی موت ہمارے لیے وبال بن سکتی ہے۔ ہمیں زندگی سے بیزار کر سکتی ہے اور ہم اس حقیقت کا سامنا کرنے کی بجائے کہ ہر ایک نے موت کا ذائقہ لینا ہے اپنے غم کو ایک بیماری بنا لیتے ہیں یہ ایک ضمنی رویہ ہے جو نفسیاتی مسائل پیدا کرتا ہے۔

آیئے! آج اس اہم مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں جس سے ہر انسان دو چار ہوتا ہے مثلاً کسی ایسے مرد کی موت جس سے آپ بہت پیار کرتے ہیں خاص طور پر سن رسیدہ لوگ جو اپنے ننھے منے یا جواں سال بچوں کی موت پر غمزدہ ہوں گے اور ان کی موت کا صدمہ ان کے لیے شدید قسم کا دباؤ پیدا کرتا ہے اور یہ لوگ اس صدمہ کو بڑی مشکل سے ہی بھول سکتے ہیں شوہر کے لیے بیوی یا بیوی کے لیے شوہر کی جدائی جو خلا پیدا کرتی ہے وہ کبھی پر نہیں ہوتا بڑھاپے میں خصوصاً ایسی حالت میں جب چلنا پھرنا دشوار ہو یہ سہارا باقی نہ رہے تو احساس جدائی بڑھ جاتا

ہے اسی لیے تو نبی کریم ﷺ نے ہمیں اپنے پیاروں کی موت پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں خود بھی یہ کر کے دکھلایا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَام فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ))[1]

"سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار کے پاس پہنچے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلانے والی عورت کے شوہر تھے، رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم کو پکڑا ان کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر پیار کیا۔ پھر اس کے بعد ہم ابوسیف کے پاس پہنچے اور ابراہیم اپنی جان دے رہے تھے رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں سے آنسو بہنے لگے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ اے رسول اللہ ﷺ! رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اے ابن عوف! یہ تو شفقت رحمت ہے، پھر روئے تو آپ نے فرمایا آنکھیں میری روتی ہیں اور دل

[1] الصحيح البخاري، كتاب الجنائز : ١٣٠٣

غمگین ہوتا ہے۔ اور ہم صرف وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہے
اور ہم اے ابراہیم! تمہارے فراق کے باعث غمگین ہیں۔"

نبی کریم ﷺ نے اپنے تینوں بیٹوں کی وفات پر صبر کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اپنے ماننے والوں کو بھی یہی تلقین کی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے حجرے کا درمیانی دروازہ کھولا پردہ ہٹایا تو لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے ان کی اس شاندار حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور امید ظاہر کی کہ اللہ تعالیٰ بعد میں بھی انھیں اسی طرح متفق اور متحد رکھے گا پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّمَا أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ أَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فَلْيَتَعَزَّ بِمُصِيبَتِهِ بِي عَنِ الْمُصِيبَةِ الَّتِي تُصِيبُهُ بِغَيْرِي فَإِنَّ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِي لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ بَعْدِي أَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مُصِيبَتِي))[1]

"اے لوگو! مومنوں میں سے جس شخص کو بھی کوئی مصیبت پہنچے تو اسے چاہیے کہ مجھے پہنچنے والی مصیبت اور صدمے کو یاد کر کے اپنی دوسری مصیبتوں میں تسلی حاصل کرے کیوں کہ کسی بھی شخص کو مجھ پر گزرنے والی مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔"

مومن کو چاہیے کہ جب اس کو اپنے کسی پیارے کی موت کا صدمہ پہنچے تو وہ اپنی مصیبت کا موازنہ نبی کریم ﷺ کی مصیبت اور صدمے سے کر کے اپنے دل کو تسلی دے نبی اکرم جناب محمد ﷺ نے آنے والی ہر مصیبت اور صدمے کو اعلیٰ ظرفی کے ساتھ برداشت کیا یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ ہر طرح کی نفسیاتی الجھنوں سے بری تھے اس لیے ہمیں بھی ہر قسم کے صدمے اور مصیبت کو برداشت کرنا چاہیے کیونکہ ہر واقعہ خالق حقیقی کی قدرت کاملہ کا ثبوت ہے انسان

[1] سنن ابن ماجه: كتاب الجنائز: ١٥٩٩

موجودہ دنیا کو صرف استعمال کرسکتا ہے وہ اس کو بدلنے یا اس کو مٹانے پر قادر نہیں اسی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موجودہ دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے انسان اس دنیا میں مالک کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ صرف تابع کی حیثیت سے ہے اسی صورت حال کو مذہب کی اصطلاح میں امتحان کہا جاتا ہے انسان اس دنیا میں صرف اس لیے آتا ہے کہ وہ محدود مدت میں یہاں رہ کر اپنے امتحان کا پرچہ پورا کرے اس کے بعد وہ یہاں سے چلا جائے گا اس سے زیادہ کسی اور چیز کا اس کو مطلق اختیار نہیں۔

بعض انسان اپنے پیاروں کی موت کے صدمے سے دوچار ہو کر مختلف نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، بعض تو ان میں سے خودکشی پر آمادہ ہو جاتے ہیں، بعض تو صدمے کو نہ برداشت کرتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں وہ سمجھتے یہ ہیں کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو ختم یا معدوم کر رہے ہیں مگر ایسا ہونا ممکن نہیں جس طرح دنیا کی اس توانائی کو مٹایا نہیں جاسکتا جو مادہ کے روپ میں ظاہر ہوئی ہے اسی طرح اس توانائی کو مٹانا بھی ممکن نہیں جو انسان کی شکل میں متشکل ہوتی ہے انسان کے اختیار میں خودکشی ہے مگر انسان کے اختیار میں معدومیت نہیں یہ صورت حال علامتی طور پر بتاتی ہے کہ انسان کا معاملہ اس دنیا میں کیا ہے۔

انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کسی پیارے کی موت پر غمگین ہو لیکن وہ مرنے والے کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا ہے، انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ حقیقت واقعہ کا انکار کر دے مگر حقیقت واقعہ کو بدلنا اس کے لیے ممکن نہیں، انسان کو یہ اختیار ہے کہ وہ سرکشی کرے مگر سرکشی کے انجام سے اپنے آپ کو بچانا اس کے لیے ممکن نہیں، انسان کو اختیار ہے وہ اخلاقی پابندی کو قبول نہ کرے مگر اخلاق کی مطلوبیت کو کائنات سے حذف کرنا اس کے لیے ممکن نہیں، انسان کو یہ اختیار ہے کہ وہ جو چاہے کرے مگر اس کو یہ اختیار نہیں کہ اپنے چاہنے ہی کو وہ اس معیاری اصول کی حیثیت دے دے جس کے مطابق بالآخر تمام انسانوں کا فیصلہ کیا جانے والا ہے۔

انسان اس دنیا میں آزاد ہے مگر اس کی آزادی محدود ہے نہ کہ لامحدود سچے مومن کے

نزدیک اس دنیا میں سب سے محبوب ہستی رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے لیکن جب آپ ﷺ بھی اس دنیا سے تشریف لے گئے تو مومنوں نے صبر کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَأَبُو بَكْرٍ بِالسُّنْحِ قَالَ إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي بِالْعَالِيَةِ فَقَامَ عُمَرُ يَقُولُ وَاللَّهِ مَا مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَقَالَ عُمَرُ وَاللَّهِ مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللَّهُ فَلَيَقْطَعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهُ قَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُذِيقُكَ اللَّهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ أَيُّهَا الْحَالِفُ عَلَى رِسْلِكَ فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ جَلَسَ عُمَرُ فَحَمِدَ اللَّهَ أَبُو بَكْرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَقَالَ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ وَقَالَ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ قَالَ فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُونَ))[1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سخ میں تھے (اسماعیل کہتے ہیں کہ سخ مدینہ کے بالائی حصہ میں ایک مقام ہے) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے

[1] الصحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ: ٣٦٦٦-٣٦

کھڑے ہوئے اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے واللہ میرے دل میں یہی خیال آتا تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ضرور اس بیماری سے اچھا کر کے اٹھائے گا اور آپ ﷺ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے (جو آپ ﷺ کی موت کی باتیں کرتے ہیں) اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے اندر جا کر رسول اللہ ﷺ کی نعش مبارک سے کپڑا اٹھایا اور آپ ﷺ کا بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہو جائیں آپ ﷺ حیات میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو مرتبہ موت ہرگز طاری نہیں کرے گا اس کے بعد پھر آپ رضی اللہ عنہ باہر آ گئے اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے قسم کھانے والے صبر کرو جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باتیں کرنے لگے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ پھر ابوبکر نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا خبردار ہو جاؤ! جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے (یعنی یہ سمجھتا تھا کہ وہ آدمی نہیں ہیں وہ کبھی نہیں وفات پائیں گے) تو ان کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ مطمئن رہیں کہ ان کا اللہ زندہ ہے جس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سورۃ الزمر کی یہ آیت پڑھی ''بے شک آپ مرنے والے ہیں اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، بے شک اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے تو کیا اگر وہ فوت ہو جائے، یا قتل کر دیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے تو وہ اللہ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔'' سب لوگ (یہ سن کر) بے اختیار رونے لگے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سب سے زیادہ محبوب سیدنا

محمد ﷺ کی وفات کے صدمے پر بھی صبر اور تسلی کو نہیں چھوڑا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت ہی رسول اللہ ﷺ نے صبر و شکر کے سنہری اصولوں پر کی تھی۔

((عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُورُهَا كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُورُهَا فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيكِ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مَا أَبْكِي أَنْ لَا أَكُونَ أَعْلَمُ أَنَّ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ مِنْ السَّمَاءِ فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا))[1]

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی طرف چلو تاکہ ہم ان کی زیارت کریں جس طرح کہ رسول اللہ ان کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے تو جب ہم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگ گئیں کہ دونوں حضرات نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا آپ کیوں روتی ہو؟ جو اللہ کے پاس ہے وہ اس کے رسول اللہ کے لئے بہتر ہے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ میں اس وجہ سے نہیں روتی کہ میں یہ نہیں جانتی کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس کے رسول کے لئے بہتر ہے بلکہ میں اس وجہ سے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی آنا منقطع ہوگئی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے یہ کہنے سے ان دونوں حضرات کو بھی رونا آ گیا اور پھر یہ دونوں حضرات بھی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی ساتھ رونے لگ گئے۔“

[1] الصحيح المسلم، كتاب الفضائل : ٦٣١٨

کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

اصْبِرْ لِكُلِّ مُصِيْبَةٍ وَ تَجَلَّدِ
وَاعْلَمْ بِاَنَّ الْمَرْءَ غَيْرَ مُخَلَّدِ
فَاِذَا ذُكِرَ مُصِيْبَةٍ تَسْلُوْ بِهَا
فَاذْكُرْ مُصَابَكَ بِالنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ﷺ

''ہر مصیبت پر صبر کر اور پا مردی کا ثبوت دے اور یقین رکھ کہ کوئی آدمی ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''جب تجھے مصیبت آئے تو نبی کریم ﷺ والی مصیبت یاد کر کے اس سے تسلی کر''۔

ہری بھری فصل مٹی کے کھیت میں اگتی ہے نہ کہ سونے چاندی کے فرش پر......۔

یہ محدود معنوں میں صرف زراعت کی بات نہیں بلکہ یہ زندگی کا عالم گیر قانون ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وجود میں لانے کے لیے ایک نظام مقرر کیا ہے اسی خاص نظام کے تحت وہ چیز وجود میں آتی ہے کسی اور طریقہ سے ہم اس کو وجود میں لا نہیں سکتے۔

یہی انسانی زندگی کا معاملہ ہے زندگی ایک ایسا امتحان ہے جو صبر کی زمین پر دینا پڑتا ہے ،زندگی ایک ایسی کھیتی ہے جو صبر کی زمین پر اگتی ہے، اللہ نے ابدی طور پر مقرر کر دیا ہے کہ زندگی کی تعمیر صبر کی زمین پر ہو اب قیامت تک یہی ہونا ہے ہم اس کی تعمیر کے لیے کوئی دوسری زمین نہیں بنا سکتے۔

صبر کا مطلب:

صبر کا مطلب ہے سوچے سمجھے بغیر کچھ بھی کر گزرنے کی بجائے سوچ سمجھ کر اپنا کام کرنا جذباتی رد عمل کی بجائے شعوری فیصلہ کے تحت ایسا منصوبہ بنانا جو آپ کو تقویت دے، اپنے محبوب کی موت کے صدمے سے اپنے آپ کو نڈھال کرنے کی بجائے ہر قسم کی نفسیاتی بیماریوں سے بچنا وقتی نا امیدیوں میں مستقبل کی امید دیکھ لینا۔

ایک بیج کو آپ سونے کی پلیٹ میں رکھ دیں تو وہ کئی دنوں تک اسی طرح پڑا رہے گا اور

اپنی زندگی کے سرچشموں سے مربوط نہیں ہو سکتا اور وہ زندگی کے اسباب سے بھری ہوئی کائنات میں بے اسباب بنا ہوا پڑا رہتا ہے وہ ایجاؤ کی ساری صلاحیتیں رکھتے ہوئے ابھرنے سے محروم رہتا ہے۔

یہ حال انسان کا ہے اگر وہ اپنے کسی محبوب کی موت کے صدمے کی حالت میں رہے گا تو وہ اللہ کی سرسبز و شاداب دنیا میں ایک ٹھنٹھ کی مانند سوکھا ہوا پڑا رہے گا لیکن صبر کو اختیار کرتے ہی وہ اچانک اللہ کی زمین میں اپنی جڑیں پالیتا اور بڑھتے بڑھتے بال آخر پورا درخت بن جاتا ہے۔

اس لیے اس صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہمیں پیدا کرنا ہو گا اس حقیقت کو مٹایا نہیں جا سکتا اور فرار کی کوشش ہمیں ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دے گی۔

فائدہ:

جو مومن اپنے کسی محبوب کی موت کے صدمے پر حوصلہ کرے گا جہاں وہ اس دنیا میں ہر طرح کی نفسیاتی الجھنوں سے بچے گا اور وہاں اس کے لیے وہ ابدی انعام مقدر کیا گیا ہے جس کا دوسرا نام جنت ہے۔

سخت اذیت

انسان پر اپنے کسی محبوب کی موت کے صدمے یا کوئی اور صدمے کا ردعمل سخت اذیت کی صورت میں ہوتا ہے، مختلف افراد پر ایسے صدمے کا مختلف ردعمل ہوتا ہے جس میں جتنی قوت برداشت اور تحمل ہوتا ہے اسی مناسبت سے وہ اپنے کسی محبوب کی موت کے صدمہ یا پھر کوئی اور صدمہ سے دو چار ہوتا ہے اس بات کا اظہار فرد کی اپنی شخصیت پر ہوتا ہے کچھ شدت غم سے بے حال ہو جاتے ہیں کچھ ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں اور غم و غصے میں قسمت کو کوسنے لگتے ہیں۔

شاید یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہماری خوشی ہی ان افراد یا دوسری کسی چیز کے ساتھ جڑی تھی جن کے گم ہونے پر وہ صدمے کو برداشت نہیں کر پاتے اور وہ سخت اذیت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں یا پھر اپنی زندگی کو خودکشی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

سخت اذیت کی دوسری وجہ اپنے کسی عزیز کی موت پر حوصلہ نہ کرنا حالانکہ حوصلہ بندی کمزور آدمی کو طاقت ور بنا دیتی ہے اور اگر حوصلہ نہ ہو تو طاقت ور آدمی بھی کمزور اور مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے، اس کو یوں کہہ لیں کہ کسی قیمتی چیز کے گم ہونے کے صدمے پر حوصلہ کرنے سے انسان کو سخت اذیت سے چھٹکارا ملتا ہے اور وہ پُر اطمینان اور پُرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہوتا ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھئے:

ایک بوڑھی خاتون ہے اور اس کی عمر 99 سال ہے بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ تر اپنے بستر پر پڑی رہتی ہے وہ اپنے بیٹے اور پوتے کے ساتھ رہتی ہے ایک رات اس کے گھر میں چور گھس گئے اور گھر کے لوگ بیدار ہو گئے اور چور اپنے مقصد میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکے تاہم وہ بوڑھی عورت کے کمرے سے نقد اور سامان کی صورت میں دس ہزار کی چیزیں لے کر فرار ہو گئے۔ چوروں نے اس بوڑھی عورت کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور نہ ہی انھیں مارنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی وہ صبح کو مری ہوئی پائی گئی پتا ہے کیوں اس وجہ سے کہ اس بوڑھی عورت نے چوروں کی طرف ایک نظر دیکھا اور اچانک صدمہ (سخت اذیت) کی وجہ سے فوراً مر گئی۔

حالانکہ مذکورہ مکان میں اس بوڑھی عورت کے ساتھ ان کے بیٹے اور پوتے بھی رہتے تھے مگر چور کو دیکھ کر بیٹے اور پوتے کی وفات نہیں ہوئی البتہ بوڑھی عورت اچانک ختم ہو گئی۔ ان کے درمیان وہ کیا فرق تھا جس کی وجہ سے ان تمام افراد کے انجام میں فرق آیا وہ فرق صدمے کی سخت اذیت کو برداشت کرنا تھا بیٹے اور پوتے میں صدمے کی سخت اذیت کو برداشت کرنے کی ہمت تھی اور وہ اس صدمہ کی اذیت کے جھٹکے کو سہہ سکتے تھے اس لیے وہ لوگ بچ گئے مگر بوڑھی عورت اپنے اندر صدمے کی سخت اذیت کو برداشت کرنے کی ہمت کھو چکی تھی اور وہ چوروں کو دیکھ کر ہی جاں بحق ہو گئی۔

یہ دنیا حادثات کی دنیا ہے یہاں ہمیشہ انسان کے موافق حالات نہیں رہتے ایسی حالت میں دنیا میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو ہر طرح کے حادثات کے صدمہ کی سخت اذیت کو برداشت کر سکتا ہو۔

جو ہمت والا ہو جو ناخوشگوار حالات کے مقابلہ میں ٹھہر سکے اور یاد رکھیے! جس آدمی کے اندر یہ صلاحیت نہ ہو اس کا وہی انجام ہو گا جو مذکورہ بوڑھی عورت کا ہوا۔

نوٹ:

حادثہ کے بعد جو لوگ اپنی کھوئی ہوئی چیز کے صدمہ کی سخت اذیت برداشت نہ کر سکیں وہ صرف اپنی تباہی اور بربادی میں اضافہ کرتے ہیں جو لوگ حادثہ پیش آنے کے بعد بچی ہوئی چیز پر اپنی ساری توجہ لگا دیں وہ ازسرنو کامیابی کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔

غم کی حقیقت

کسی کی اچانک یا حادثاتی موت کا غم اکثر سکتہ کی کیفیت طاری کر دیتا ہے، یقین نہیں آتا کہ واقعی ایسا ہو گیا ہے، کبھی کبھی متاثرہ شخص یہ ماننے سے انکار کر دیتا ہے کہ اتنی عزیز اور پیاری ہستی اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئی ہے۔

ہم اس کا تجربہ اپنی زندگی میں بھی کرتے ہیں جب کوئی ہمارا عزیز اچانک فوت ہو جائے تو ہمیں اس کی موت کا یقین ہی نہیں آتا ہم کہتے ہیں یار وہ تو ابھی ہمارے پاس صحیح سلامت بیٹھا باتیں کر رہا تھا یا پھر یوں کہتے ہیں میں نے تو اسے ابھی کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

میر تقی میر ایک شاعر گزرا ہے اس کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت دکھی انسان تھا:

کانٹا چبھے کسی کو تو تڑپتے ہیں ہم میرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

میری تقی میر نے اپنی بیٹی کی شادی کی تاریخ رکھی تو دولہے والوں کی طرف سے جہیز کی ایک لمبی لسٹ آ گئی میر تقی میر نے اپنی دکان بیچ کر جہیز کا سامان خریدا لیکن پھر بھی وہ سامان پورا نہ ہوا انھوں نے اپنے مکان کو گروی رکھ کر قرض لیا اور لڑکے والوں کی ڈیمانڈ کو پورا کیا جبکہ لڑکی اپنے باپ کو منع کرتی رہی کہ ابا جان جہیز کی لسٹ کو پھاڑ دیں اور ان کو جواب دے دیں لیکن باپ نہ مانا اور بیٹی کی شادی کر دی اور جب اس کا خاوند رات کو کمرے میں آیا اور اپنی بیوی کا گھونگھٹ اٹھانے لگا تو لڑکی نے اپنے خاوند سے کہا کہ تو نے تو جہیز کی لسٹ میں مجھے مانگا ہی نہ تھا تو نے تو فلاں چیز مانگی تھی وہ تو وہ ہے لہٰذا میرے قریب مت آ لیکن پھر بھی وہ اپنی بیوی کے پاس آنے لگا اس کی روح پرواز کر گئی۔

ایک آدمی میر تقی میر کو اس کی بیٹی کی وفات کی خبر دینے گیا جب یہ آدمی صبح کے وقت اس کے ہاں پہنچا تو وہ صبح کی نماز کے بعد دعا مانگ رہا تھا اور جب اس آدمی نے میر تقی کو اس کی بیٹی کی وفات کی خبر دی تو اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیٹی کو شادی کے سرخ جوڑے میں روانہ کیا تھا اور جب دوسرے لوگوں نے میر تقی میر کو یقین دلایا تو وہ اس غم کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے کچھ ذہنی مریض ہو گئے۔

حالانکہ اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ کسی عزیز کی موت پر اتنا غم جو برداشت سے ہی باہر ہو کرنے سے ہم اس کو زندہ نہیں کر سکتے ،اسی طرح کاروبار میں گھاٹا یا نقصان ہوا ہے تو اس پر غم کرنے سے ہم اس نقصان کو پورا نہیں کر سکتے اور اگر ہمارا بیٹا فیل ہو گیا ہو تو اس پر غم کرنے سے بھی وہ پاس نہیں ہو سکتا۔

پھر میں پوچھتا ہوں کہ ہم کیوں غم کرتے ہیں؟

اور بعض لوگ تو غم کو مٹانے کے لیے شراب نوشی کرتے ہیں یا اور کوئی نشے کے عادی ہو جاتے ہیں یا پھر میوزک سننا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ سب چیزیں انسان کے غم کو بڑھا تو سکتی ہیں کم نہیں کر سکتی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں فرمایا کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر غم مت کرو۔

﴿ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ ﴾ (الحدید : ۲۳/۵۷)

''تا کہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے''

دوسری دلیل:

﴿ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (آل عمران : ۱۵۳/۳)

''تو اس نے بدلے میں تمھیں غم کے ساتھ اور غم دیا، تا کہ تم نہ اس پر غم زدہ ہو جو تمھارے ہاتھ سے نکل گیا اور نہ اس پر جو تمھیں مصیبت پہنچی اور اللہ اس کی پوری خبر رکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دو غم دیے ایک شکست کا غم اور دوسرا آنحضرت ﷺ کے شہید ہو جانے کی افواہ کا صدمہ جو پہلے غم سے سخت تر تھا تا کہ تمھیں نہ تو مال غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہو اور نہ ہی شکست سے کبیدہ خاطر ہو کیونکہ متواتر سختیوں سے انسان تحمل مشاق کا عادی ہو جاتا ہے سیدنا محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کی تو آپ دونوں نے غار ثور میں پناہ لی کفار پیچھا کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئے جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے غار ثور کے منہ کے نزدیک ان کے پاؤں دیکھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول ﷺ! وہ آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة : ۹/ ۴۰)

"غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مومن اللہ کی توفیق سے غموں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور کبھی بھی غمگین نہیں ہوتا چاہے اس کے ہر طرف پریشانیاں ہی پریشانیاں کیوں نہ جمع ہو جائیں۔

مومن غم بھرے پرندوں کو اپنے سر تک پرواز کرنے سے تو نہیں روک سکتا لیکن انھیں سر پر گھونسلا کبھی نہیں بنانے دیتا کیوں کہ جس طرح لوہا زنگ خوردہ ہو کر بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح غم سے دل و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں مومن کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ اگر اس کے دل پر سارے جہاں کا غم بھی چھا جائے تو افسردہ نہ ہوگا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سب غم ایک دن میرا پروردگار ضرور ختم کر دے گا لیکن چھ (۶) لوگ ایسے ہیں جو ضرور غم میں رہیں گے۔

پہلا:

جو دوسروں کی حمیت کو اپنی پریشانی اور دوسروں کی کامیابی کو اپنی ناکامی خیال کرے۔

دوسرا:

جو باوجود قدرت رکھنے کے نیکی نہ کرے۔

تیسرا:

جو سوچے سمجھے بغیر ایسا کام کرے جس کا نتیجہ پریشانی ہو۔

چوتھا:

وہ شخص جو پیش از وقت چاہتا ہے۔

پانچواں:

وہ شخص جو قسمت سے زیادہ مانگتا ہے۔

چھٹا:

وہ شخص جو دوسروں کے مال کو اپنا بنانا چاہتا ہے۔

اگر آپ اپنی زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو غم بھرے پرندوں کو اپنے سروں پر گھونسلا مت بنانے دیں۔

اس کو ایک مثال کے ساتھ سمجھیے:

پروفیسر صاحب نے طلباء کو اپنے گھر چائے پر بلایا اگلے دن وقت مقررہ پر سب طلباء پروفیسر صاحب کے گھر پہنچ گئے گفتگو شروع ہوئی تو اس کا موضوع زندگی کی کامیابیاں تھا مگر جلد ہی سب نے زندگی سے شکایات کرنا شروع کر دیں کسی کو اپنے اسٹیٹس سے شکایت تھی تو کسی کو معاشرتی تفریق یا مالی مسائل کی وجہ سے ٹینشن اور غم تھا پروفیسر صاحب خلاف معمول خاموشی سے مسکراتے ہوئے طلباء کی باتیں سن رہے تھے۔

کچھ دیر بعد پروفیسر صاحب کچن میں تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی اس ٹرے میں طرح طرح کی بہت سے کپ موجود تھے سستے بھی اور مہنگے بھی، کچھ سادہ تو کچھ ڈیزائن والے، کچھ پلاسٹک کے، کچھ چینی کے، کچھ پتھر کے اور کچھ کرسٹل کے کچھ کپ نئے معلوم ہوتے تھے اور کچھ بہت پرانے ان میں سے کچھ بہت خستہ حال تھے پروفیسر صاحب نے ٹرے طلباء کے سامنے رکھ دی اور کہا اپنی مدد آپ کریں جب تمام طلباء نے چائے کے کپ اٹھا لیے تو پروفیسر صاحب بولے اگر آپ غور کریں تو تمام قیمتی خوبصورت اور نئے نظر آنے والے کپ اٹھا لیے گئے ہیں اور سادہ پرانے اور سستے کپ ٹرے میں پڑے رہ گئے ہیں بظاہر آپ کا عمومی رویہ بالکل نارمل اور معقول معلوم ہوتا ہے کہ اپنے

لیے بہترین چیز پسند کی جائے مگر یہی رویہ زندگی میں بعض اوقات ہمارے غموں اور ذہنی دباؤ کا موجب بن جاتے ہیں یہ بات آپ سب کو معلوم ہے کہ کپ بذات خود چائے کی کوالٹی معیار یا ذائقے میں نہ تو کوئی اضافہ کرسکتا ہے اور نہ ہی کمی وہ چیز جس کے آپ سب خواہاں تھے وہ چائے تھی نہ کہ کپ لیکن شعوری طور پر آپ سب نے بہترین کپ چنے اور اب دوسروں کے کپ کو کن اکھیوں سے دیکھ رہے ہیں اور للچا رہے ہیں۔

اب اس بات کو اس انداز میں دیکھیں کہ زندگی چائے ہے ملازمتیں روپیہ پیسہ اور معاشرے میں مقام وغیرہ کپ ہیں یہ صرف زندگی کو سنبھالنے اور گزارنے کے برتن ہیں اور ان برتنوں کا رنگ معیار اور ڈیزائن زندگی میں اور اس کے ذائقے میں کوئی فرق پیدا نہیں کرسکتا۔

ہم اکثر اوقات ہاتھ میں موجود کپ یعنی روپیہ پیسہ ملازمت یا پھر کسی دوسرے کی جدائی کے بارے میں اتنا سوچتے اور غمگین رہتے ہیں کہ زندگی کی چائے سے لطف اندوز ہوئے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں چائے سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی توجہ چائے پر رکھیں نہ کہ برتنوں پر۔

میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ جب وہ ملتا ہے تو بہت خوش نظر آتا ہے اور اس سوال پر کہ تمھارا کیا حال ہے تو اس کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ الحمد للہ لیکن اگر آپ اس کے حالات جان لیں تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ محنت مزدوری کرتا ہے اور اس کی بیوی کا بھی اس کے ساتھ رویہ اتنا اچھا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مطمئن نظر آتا ہے وہ صحیح طور پر اپنی زندگی جو کہ چائے کی مانند ہے اس سے لطف اندوز ہو رہا ہے نہ کہ اس نے اپنے ناسازگار حالات یعنی کپ کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنی زندگی کو غموں کی نذر کر دیا۔

اگر آپ اپنی زندگی سے خوش ہونا چاہتے ہیں تو جس حال میں اللہ رکھے آپ کو اسی پر اکتفا کرنا چاہیے بلا وجہ رونے دھونے سے کیا حالات بدل جائیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

چه زور آور دپنجه جهد مرد

چو بازوئے توفیق باری نکرد

''انسان کی کوشش کا پنجہ کیا زور دکھائے جب توفیق کے بازو نے مدد نہ کی۔''

انسان کے لیے یہی نہیں کہ وہ پیدا ہوا اور مر گیا بلکہ پیدا ہونے اور مرنے کے دوران ایک مدت ہے اور اس مدت میں انسان پر مختلف حالات آتے رہتے ہیں یعنی کبھی خوشی کبھی غم کبھی تنگی کبھی آسانی تو ان تمام حالات میں اس کو صبر اور شکر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے کیوں کہ ہر انسان کی قسمت لوح محفوظ پر اس کی پیدائش سے قبل لکھ دی جاتی ہے قسمت کا لکھا مل کر رہتا ہے خواہ انسان کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے اس لیے انسان کو اپنے برے حالات کی شکایات کر کے بے جا اپنے آپ کو غمگین نہیں رکھنا چاہیے۔

گرت صورتحال بدیا نکوست

نگاه ریدهٔ دست تقدیر اوست

دریں نوع ازشرك پوشیده است

که زیدم بیاز رد و عمرم بخست

گرت دیده بخشد خداوند امر

نه بینی دگر صورت زید و عمرو

نه بند ارم از بنده دم درکشد

خدا بش بروزی قلم در کشید

جهاں آفر نیت کشا یش دهار

اگر وے به بندد نشا ید کشاد

''اگر تیری صورت حال اچھی یا بری ہے اس کے تقدیر کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے (پھر تو کیوں اپنی قسمت پر غم زدہ ہوتا ہے)۔

اس بات میں ایک قسم کا شرک چھپا ہوا ہے کہ مجھے زید نے غم دیا اور مجھے عمر نے

خستہ کر دیا۔

حکم کا مالک اگر تجھے آنکھ عنایت کر دے تو تو پھر زید اور عمرو کی صورت نہ دیکھے گا۔

مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ اگر بندہ خاموش رہے تو خدا اس کی روزی بند کر دے۔

جہاں کا پیدا کرنے والا (تجھے) فراخی بخشے اگر وہ بند کر دے تو کھولی نہیں جا سکتی۔"

رزق کی فراخی تنگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اے اللہ کے نیک اور صالح بندے! کیوں تو تنگی داماں پر بے قرار و بے چین اور غمگین ہوتا ہے تجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ لب پہ شکایت کا کلمہ لے کر آئے اور اگر آپ مومن ہیں اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو پھر محبت کا یہ تقاضا ہے کہ لب پر کوئی گلہ دم نہ مارنے پائے۔

پائے آداب محبت کے تقاضے ساغرؔ
لب ہلے شکایات نے دم توڑ دیا

غم سے نجات حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

❁ جب کوئی شخص غم کو دیکھے تو استغفار کو لازم پکڑے کیوں کہ غم خالق کائنات کے حکم سے آتا ہے اور جب انسان اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمام غموں سے نجات دے دیتا ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ)) [1]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو استغفار کرنے کو اپنے اوپر لازم کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا ایک راستہ پیدا فرمائے گا اور ہر غم سے نجات دے گا اور ایسی جگہ سے روزی

[1] سنن ابو داود، کتاب الوتر: ١٥١٥

عطا فرمائے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استغفار انسان کو ہر طرح کے غموں سے نجات دلاتا ہے۔

❁ اگر انسان غموں سے نجات چاہتا ہے تو گناہوں کو ترک کر دے کیوں کہ جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر طرح کے غموں سے نجات دے دے گا اور اگر کسی نے گناہوں کو نہ چھوڑا تو اللہ اس کے سینے کو غموں سے بھر دے گا۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الانعام : ۱۲۵/۶)

"تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے، گویا وہ مشکل سے آسمان میں چڑھ رہا ہے، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

❁ جو شخص اپنے دل کو غموں سے نجات اور سکون جیسی اعلیٰ چیز سے مزین کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے، کیوں کہ اللہ کا ذکر کرنے سے دل کو سکون اور غموں سے نجات ملتی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ (الرعد : ۲۸/۱۳)

"وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔"

❁ جو شخص اپنے آپ کو غموں سے نجات دلانا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ کثرت سے اللہ

تعالیٰ کی عبادت کرے۔

دلیل یہ آیت ہے:

﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (المائدہ : ٥/٦٩)

”جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

❁ جو آدمی غموں سے نجات چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جائے۔

دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَعَدَّ خَمْسًا وَقَالَ اتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللَّهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ))[1]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو مجھ سے کلمات سیکھ کر ان پر عمل کرے یا اسے سکھائے جو ان پر عمل کرے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کلمات سیکھتا ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتیں شمار کیں آپ نے فرمایا:

”حرام کاموں سے پرہیز کرو سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ اللہ کی

[1] جامع ترمذی، کتاب الزھد : ۲۸٦

تقسیم پر راضی رہو اس سے تم لوگوں سے بے پرواہ ہو جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو اس سے تم مومن ہو جاؤ گے۔ لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اس سے تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ زیادہ مت ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔"

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بھی کیا خوب کہا ہے:

مرو در پئے هر چه دل خواهدت
که تمکین تن نور جاں کا هدت
کند مرد درا نفس اماره خوار
اگر هوشمندی عزیزش مدار
وگر هر چه باشد مرادش خوری
زدوراں بسے نامرادی بری
تنور ، شکم دمبرم تافتن
مصیبت بود رو ، زنا یافتن
به تنگی بزیز اندت روئے رنگ
چو وقت فراخی کنی معده ِ تنگ
کشد مرد پر خواره بارشکم
وگر درنیا ید کشد بار غم
شکم بنده بسیار بینی خجل
شکم پیش من تنگ بهتر که دل

دل کی ہر خواہش پر مارا مارا نہ پھر اس لیے کہ جسم کا آرام تیری جان کے نور کو کم کر دے گا۔

جو پیٹ کے تنور کو گرم رکھتا ہے وہ نہ ملنے پر مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تنگی کے وقت چہرے کا رنگ بگاڑ دے گا اگر فراخی کے وقت معدے کو پُر رکھے گا
بسیار خور کو پیٹ کا بوجھ مار ڈالتا ہے اور اگر نہیں ملتا تو غم کا بوجھ مار ڈالتا ہے۔
پیٹ کے غلام کو تو بہت شرمندہ دیکھے گا میری رائے میں بھوکا پیٹ تنگ دل سے اچھا ہے۔

❁ اپنے آپ کو کام میں غرق کر دیں ورنہ غم اور مایوسی آپ کو فنا کر دیں گے۔

یعنی اگر آپ غم سے نجات چاہتے ہیں تو اپنے آپ کو کام میں مصروف رکھیں اس طرح اس سوچ وفکر مصیبت اور پریشانی سے جو آپ کو غم زدہ رکھتی ہے دھیان ہٹ جائے گا کیوں کہ بعض اطباء کے نزدیک غم بذات خود کوئی چیز نہیں صرف اس کو انسان اپنے سر پر سوار کر لیتا ہے۔

❁ غموں کو دور کرنے کا ایک عمدہ نسخہ یہ ہے کہ ہم اپنی ذات کے علاوہ دوسرے لوگوں عزیزوں رشتے داروں پڑوسیوں اور دوستوں میں دلچسپی لیں ہم اکیلے نہ مصیبتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ خوشیوں سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾﴾ (النساء : ٤/٣٦)

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے ہمسائے اور اجنبی ہمسائے اور پہلو کے ساتھی اور مسافر (کے ساتھ) اور (ان کے ساتھ بھی) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، شیخی مارنے والا ہو۔“

ان تمام مذکورہ طریقوں کو اگر ہم اپنے اوپر لاگو کریں تو ان شاء اللہ ہم ضرور بالضرور غموں

سے نجات حاصل کر لیں گے۔

اگر آپ دکھوں تکلیفوں مصیبتوں اور غموں کو خوش گوار پہلو میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو پھر اپنے اندر قوت برداشت جیسا اعلیٰ عنصر پیدا کریں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے:

''زمانے کی گردش سے دل شکستہ ہو کر نہ بیٹھ اس لیے کہ صبر اگرچہ کڑوا ہے مگر اس کا پھل میٹھا ہے۔''

''صبر زندگی کے مقصد کے دروازے کھولتا ہے کیونکہ صبر کے سوا اس دروازے کی کوئی اور چابی نہیں ہے۔''

''بہت سے کام صبر سے نکلتے ہیں اور جلد باز منہ کے بل گرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے قرآن میں فرمایا کہ صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو یعنی انسان کو جب کوئی غم پہنچے تو صبر سے مدد طلب کرے۔

دلیل یہ آیت ہے

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

(البقرۃ : ٢/١٥٣)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو مصائب سے پہنچنے والے غموں پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تمام غموں سے نجات دیتا ہے جو شخص پُر مسرت زندگی گزارنا چاہتا ہے وہ صبر کا سبق سیکھ لے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَنْ أَبِی سَعِيدٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ

اللّٰہُ وَمَنْ یَسْتَعْفِفْ یُعِفَّهُ اللّٰہُ وَمَنْ یَتَصَبَّرْ یُصَبِّرْهُ اللّٰہُ وَمَا أُعْطِیَ أَحَدٌ شَیْئًا هُوَ خَیْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ))[1]

''حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال دے دیا۔ انہوں نے مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دے دیا۔ اس کے بعد فرمایا میرے پاس جو کچھ مال ہوگا میں اسے تم سے روک کر ہرگز جمع نہیں کروں گا اور جو شخص بے نیازی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے گا۔ جو مانگنے سے بچے گا، اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے سے بچائے گا۔ جو صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق عطا فرمائے گا اور کسی کو صبر سے بہتر اور کشادہ چیز نہیں دی گئی۔''

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ صبر ایک منفی عمل ہے مگر یہ سراسر غلط فہمی ہے حقیقت یہ ہے کہ صبر ایک مثبت عمل ہے بلکہ یہ مثبت عمل کی بنیاد ہے کیونکہ صبر کے بغیر اس دنیا میں کوئی مثبت عمل نہیں کیا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اطراف عرب کے رئیسوں اور بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط روانہ کیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل واضح طور پر ایک مثبت عمل تھا مگر اس مثبت عمل کی قیمت صبر تھی اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنا پڑا اس کے بعد ہی ممکن ہوا کہ وہ حالات پیدا ہوں جن میں مذکورہ قسم کا مثبت عمل انجام دیا جا سکے۔

یہ بات واضح ہے کہ رئیسوں اور بادشاہوں کے نام یہ خطوط صلح حدیبیہ کے بعد روانہ کیے گئے ظاہر ہے کہ یہ کام صلح حدیبیہ سے پہلے بھی ہو سکتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صلح حدیبیہ کے بعد کیوں انجام دیا؟ اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ صلح حدیبیہ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ و قتال کے حالات میں گھرے ہوئے تھے صبح و شام دشمنوں کے حملے کا دھڑکا لگا رہتا تھا لیکن جب صلح حدیبیہ ہوئی تو بظاہر تمام شرائط مسلمانوں کے خلاف تھیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبر سے پیدا ہونے والے مثبت اثرات کو جانتے تھے اسی لیے صلح حدیبیہ کے بعد حالات بالکل معتدل ہو گئے اس

[1] جامع ترمذی، کتاب البر والصلة : ۲۰۹۲

کے فوراً بعد آپ ﷺ نے حکمرانوں کے نام دعوت نامے بھیجنے کا منصوبہ بنایا اور اس کی تعمیل فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ صبر کے بغیر کوئی مثبت عمل ممکن نہیں یاد رکھیے! ہر نعمت کی فراخی جس پر شکر نہ ہو اور ہر قسم کی تنگی جس پر صبر نہ ہو فتنہ بن جاتی ہے۔

اگر آپ غموں سے نجات چاہتے ہیں تو پھر دنیا کو اتنی اہمیت دیں جتنی ضرورت ہے اگر آپ دنیا کو ضرورت سے بڑھ کر اہمیت دیں گے تو پھر آپ مختلف پریشانیوں اور غموں کا شکار ہو جائیں گے اکثر بزرگ باتیں کرتے ہیں کہ بیٹا ایک زمانہ تھا کہ ہمارے لوگوں کے صرف ایک یا دو سوٹ ہوتے اور ایک ہی جوتا ہوتا اور ہم اکثر چٹنی یا اچار سے ہی روٹی کھالیا کرتے تھے اس کے باوجود ہم بہت خوش تھے اور ہمارا آپس میں بڑا پیار ہوتا تھا اور جانتے ہو اس خوشی اور پیار کی وجہ کیا تھی صرف یہ کہ ہم لوگ دنیا کو ضرورت سے بڑھ کر اہمیت نہیں دیتے تھے۔

آج ہم نے دنیا کو اہمیت دی تو خوشی بھی ہم سے جاتی رہی اور خون کے رشتے بھی ٹوٹ گئے کیونکہ آج تو وہی رشتے دار ہے جس کے پاس پیسہ ہے۔

یاد رکھیے! اگر آپ زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں تو پھر آپ دنیا میں رہیں نہ کہ دنیا کو اپنے دل میں بسا لیں کیونکہ جب تک کشتی پانی میں رہتی ہے ہر طرح کی مصیبت اور پریشانی سے محفوظ رہتی ہے اور اپنے مسافروں کو کنارے تک لے جاتی ہے لیکن جب کشتی میں پانی آ جائے تو کشتی ڈوب جاتی ہے اور تمام مسافر لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

اگر آپ دنیا کو کھیل تماشہ سمجھ لیں کہ دنیا ایک کھیل کی مانند ہے جس طرح ایک کھیل شروع ہوتا ہے اور پھر چند ہی گھنٹوں کے بعد ختم ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح دنیا کا کھیل بھی ایک دن ختم ہو جائے گا۔

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ

رِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید : ۵۷/۲۰)

”جان لو کہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل ہے اور دل لگی ہے اور بناؤ سنگار ہے اور تمھارا آپس میں ایک دوسرے پر بڑائی جتانا ہے اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، اس بارش کی طرح جس سے اگنے والی کھیتی نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا، پھر وہ پک جاتی ہے، پھر تو اسے دیکھتا ہے کہ زرد ہے، پھر وہ چورا بن جاتی ہے اور آخرت میں بہت سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بڑی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“

یعنی جس نے دنیا کو دل میں بسایا وہ دھوکے میں پڑ گیا اور اس نے غموں کے دروازے اپنے لیے کھول لیے اور سب سے بڑی بات اس نے اپنی آخرت بھی برباد کر لی البتہ ایسے لوگوں کے لیے دنیا دھوکا نہیں جنھوں نے صرف دنیا کو ضرورت کے مطابق اہمیت دی اور اسے آخرت کا ذریعہ بنایا۔

زندہ قول:

غموں میں گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔

بعض دکھ نعمت

تمام دکھ، پریشانیاں اور مصیبتیں بری نہیں ہوتیں بعض اوقات دکھ انسان کے لیے اچھے بھی ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ زیادہ تر انسان خوشی سکون اور فراخی میں اپنے رب کو بھول جاتا ہے، لیکن جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے منہ سے اللہ کا ذکر اور تسبیح جیسے کلمات ادا ہوتے ہیں، وہ اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا ہے اس طرح یہ دکھ تکلیف اس کو اللہ کی قریب کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ (یونس: ۱۰/۱۲)

"اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پہلو پر، یا بیٹھا ہوا، یا کھڑا ہوا ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کسی تکلیف کی طرف، جو اسے پہنچی ہو، پکارا ہی نہیں۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے لیے مزین بنا دیا گیا جو وہ کیا کرتے تھے۔"

جب یہ دکھ تکلیفیں کسی مسلمان کو پہنچتی ہیں تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ مَنْ يَعْمَلْ سُوئًا يُجْزَ بِهِ بَلَغَتْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مَبْلَغًا شَدِيدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَارِبُوا وَسَدِّدُوا فَفِي كُلِّ مَا يُصَابُ بِهِ

الْمُسْلِمُ كَفَّارَةٌ حَتَّى النَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا أَوِ الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا)) [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهِ......﴾ (جو شخص عمل کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔) مسلمانوں کو اس سے بہت سخت پریشانی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میانہ روی اور استقامت اختیار کرو مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ جو اسے ٹھوکر لگتی ہے یا اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔"

ہر ایک مصیبت اس وقت اس کے لیے کفارہ ہوتی ہے جب اس کے اندر دو خوبیاں ہوں گی ایک صبر کی اور دوسری یہ کہ وہ مومن ہو۔

ایک شخص مسلمان ہے لیکن وہ بہت برا شخص ہے گناہوں میں ڈوبا ہوا ہے صرف نام کا مسلمان ہے کام کوئی ایک بھی مسلمانوں جیسے نہیں اور وہ بڑے سکون اور فراخی کی حالت میں اپنی زندگی گزار رہا ہوتا ہے کہ ایک دن اچانک اس کو کوئی دکھ پہنچتا ہے اور وہ اس بیماری یا دکھ کی وجہ سے راہ راست پر آ جاتا ہے اور وہ جو اللہ تعالیٰ کو بھولا ہوتا ہے اس بیماری یا دکھ کی وجہ سے یاد کرنا شروع کر دیتا ہے۔

غالباً 2015ء کے رمضان المبارک کی بات ہے کہ میں پتوکی شہر کے ایک نواحی گاؤں میں اکیس لیلۃ القدر کی رات کو تقریر کرنے کے لیے گیا، تقریر کے بعد لوگ میرے ارد گرد جمع ہو گئے (الحمد للہ) اور ان میں سے میں ایک ایسے شخص کو ملا جس کو مصیبت فالج کی صورت میں پہنچی ہوئی تھی پھر لوگوں نے مجھے اس شخص کے بارے میں بتایا یہ اپنی جوانی میں بڑا اعیاش قسم کا آدمی تھا بہترین سوٹ پہنتا اچھا جوتا پہنتا اور قیمتی خوشبو استعمال کرتا اور گردن میں سونے کا ہار اور انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہن کر رکھتا تھا اس نے اپنی جوانی میں کبھی نماز نہیں پڑھی ہو گی، پھر اس کو جوانی کی حالت میں ایک مصیبت پہنچی یعنی اس کو فالج ہو گیا اور پھر اس نے عیش و

[1] الصحيح المسلم، كتاب البر والصلة : ٦٥٦٩

عشرت والی زندگی کو چھوڑ دیا اور نیکی والی زندگی کو اپنا لیا اور لوگوں نے مجھے بتایا کہ اب یہ آدمی تقریباً پانچوں وقت کی اذان دیتا ہے اور اپنا زیادہ وقت مسجد میں گزارتا ہے یہ سب سننے کے بعد میں نے اس شخص سے کہا کہ یہ دکھ تکلیف مصیبت تو تیرے لیے بہت بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے آج تو اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ بعض اوقات غم انسان کے لیے نعمت ہوتے ہیں، جس طرح کچھ پیڑ پودوں کے پتے مسلنے پر ہی خوشبو عطا کرتے ہیں اسی طرح کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بحران میں ہی چمکتے اور اللہ کے قریب ہوتے ہیں بحران یعنی دکھ نہ آتا تو ان میں چمک نیکی اور بھلائی جیسی اعلیٰ صفت بھی پیدا نہ ہوتی۔

یاد رکھیے!

اکثر حسین ولطیف کمالات ایسے مردوں اور عورتوں نے کیے ہیں جو مصائب ومشکلات کا شکار رہے ہیں۔

غم کا اظہار

صدمہ یا غم وہ چیز نہیں ہے جو مستقل انسان کے اندر رہے بلکہ مرنے والے کی جدائی کا شدید صدمہ یا غم تنہائی میں اس کی تصویر یا اس کی کوئی نشانی دیکھ کر مزید تازہ ہوتا ہے، مثلاً کسی شخص کا باپ فوت ہو گیا ہو تو جس گھر میں وہ رہتا ہے اس کے باپ نے بنایا تھا اب وہ اس گھر کو بیچنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ اس گھر کے ساتھ اس کے فوت شدہ باپ نے بہت سی یادیں چھوڑی ہیں، اگر کسی کی ماں وفات پا گئی ہیں تو اس کو ہر اس وقت اپنی ماں کی یاد آتی ہے جب جب اس کی ماں اس کے لیے کام کرتی تھی مثلاً صبح ناشتہ کرنے کے وقت ماں کے ہاتھوں کے پراٹھے یاد آئیں گے اور باہر جاتے وقت اس کو یاد آئے گا کہ اس کی ماں باہر نکلنے سے پہلے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتی تھیں اور جب گھر پلٹے گا تو اس کو اپنے ماتھے کا وہ بوسہ یاد آئے گا جو اس کی ماں لیا کرتی تھی۔

بعض لوگوں کے ہاں اپنے فوت شدہ پیاروں کی تصویریں ہوتی ہیں اور وہ جب بھی ان تصویروں کو دیکھتے ہیں تو ان کا غم پھر تازہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح اچانک بیدار ہونے پر اس کی عدم موجودگی مختلف مواقع پر جب وہ ساتھ ہوتا تھا اس کے نہ ہونے کا احساس اس کی موت کے غم کو تازہ کر دیتا ہے۔

جدائی کے شدید احساس سے انسان تڑپ اٹھتا ہے اور یہ تڑپ اسے مضطرب اور بے چین اور تذبذب کا شکار کر دیتی ہے اور اچانک جدائی کے بعد نظریں مسلسل اسے تلاش کرتی رہتی ہیں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ابھی نظر آ جائے گا۔ ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ جدائی ابدی ہے اسے دیکھنے کی آرزو نہیں دبا پاتے ہم اسے اتنا پیار کرتے تھے کہ اس کی جدائی کا یقین نہیں

آتا جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وقتی طور پر اپنے آقا علیہ السلام کی وفات کا یقین نہیں آ رہا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہوں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی:

((قَامَ عُمَرُ يَقُولُ وَاللّٰهِ مَا مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ وَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ فَلَيَقْطَعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ)) [1]

"سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے واللہ میرے دل میں یہی خیال تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔"

پھر جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سنا تو آپ رضی اللہ عنہ فوراً مسجد نبوی میں آئے آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا لوگو! دیکھو اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ ہمیشہ زندہ ہے اسے موت کبھی نہیں آئے گی اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ سے قرآنی آیت سنی تو آپ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین آیا۔

لیکن یہ سارے مرحلے عارضی ہوتے ہیں حقیقت آہستہ آہستہ ہمیں یقین کے دروازے تک لے آتی ہے، غم و غصے کی شدت ماند پڑ جاتی ہے اور ہمیں آخر کار صبر آ جاتا ہے۔

ایسی صورت حال میں جہاں تک ممکن ہو تنہائی سے گریز کرنا چاہیے ایسی چیزوں کو جس سے مرنے والے کی یاد تازہ ہوتی ہے ہٹا دینا چاہیے ہاں اگر ان چیزوں سے آپ کو موت کی

[1] الصحيح البخاری، کتاب الفضائل اصحاب النبی : ٣٦٦٧

یاد آتی ہے تو پھر ٹھیک ہے مثلاً آپ جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ آپ کے باپ نے بنایا تھا اور آپ کا باپ وفات پا گیا اور اب آپ جب بھی گھر میں آتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ میرے باپ نے کتنی محنت اور لگن سے کتنا پیسہ لگا کر اس گھر کو عالی شان بنایا لیکن اس کے باوجود بھی موت سے نہ بچ سکا تو مجھے بھی ایک دن ضرور موت آئے گی۔ اسی طرح اگر آپ کا کوئی دوست فوت ہوا ہے اور اس کی کوئی ایسی نشانی آپ کے پاس موجود ہے جس کو دیکھ کر آپ کو احساس ہوتا ہے کہ جب اتنا خوبصورت انسان موت سے نہیں بچ سکا تو پھر ایک دن ضرور مجھے بھی موت آئے گی۔

سنہری قول:

جو غموں کا اظہار کرتا رہتا ہے اس کے لیے پریشانیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

اذیت پسند افراد

بعض افراد اذیت پسند ہوتے ہیں ان کی مختلف قسمیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی قسم:

ایسے لوگوں کی ہے جو خود کو اذیت میں رکھتے ہیں، مثلاً کسی آدمی کا ڈاکٹر نے معائنہ کیا اور ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ تجھے T.B کی شکایت ہو سکتی ہے، اتنا سننا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو اذیت دینا شروع کر دیتا ہے اس سوچ سے کہ مجھے ٹی بی ہے اور اب میں نہیں بچوں گا ضرور مر جاؤں گا۔ یا پھر کسی آدمی کو کاروبار میں نقصان ہوا اور وہ دن بھر یہی سوچتا رہتا ہے کہ نقصان کیوں ہوا؟ کاش یہ نقصان نہ ہوتا۔ یا پھر شاید میں ایسے کرتا تو نہ ہوتا۔ یا پھر کسی کا بچہ مر جائے تو وہ سوچتا ہے شاید میں ہی قصور وار ہوں اگر میں اس کو کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جاتا تو شاید میرا بچہ بچ جاتا۔

اس طرح کے لوگ ایسی سوچ سے صرف اپنے آپ کو اذیت دیتے ہیں اور جہاں یہ اذیت بے سکونی کی کیفیت پیدا کرتی ہے وہاں یہ انسان کے جسم کے اندر بے شمار بیماریوں کا سبب بھی بنتی ہے ان تمام چیزوں سے بڑھ کر تو حسد ہے اذیت پسند آدمی حسد کی آگ میں اپنے بدن کو جلاتا ہے۔

اور حاسد سے بڑھ کر اور کون مظلوم ہو سکتا ہے؟ جو خود ہی اپنے آپ کو حسد کے صندوق میں بند کر لیتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا دم گھٹنا شروع ہو جاتا ہے، آخر ایک وقت آتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے مر جاتا ہے۔

حسد ایک بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حسد کرنے سے منع

فرمایا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ)) [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ حسد سے بچتے رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس شخص کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اسے حسد ہے کہ کسی طرح اسکو کوئی نقصان کی صورت میں اذیت پہنچائے، اس کو بے آبرو کرے یا پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھاتا ہے۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

((عن زُبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ)) [2]

''حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں میں بھی پہلی امتوں والا مرض گھس آیا ہے اور وہ حسد اور بغض ہے جو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی مونڈ دینے والا ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ بالوں کو مونڈ دیتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔''

لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی

---

1. سنن ابو داود، کتاب الادب: ٤٩٠٣۔ معارف الحدیث: ١٥٠
2. جامع ترمذی۔ معارف الحدیث، کتاب الاخلاق: ١٥١

فکر کریں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو فرمایا کہ آپ فرمائیں:

﴿ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ (الفلق : ۱۱۳/۵)

''اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''

ایسا شخص جہاں اپنے آپ کو اذیت دیتا ہے وہاں یہ حسد کی وجہ سے دوسروں کو اذیت پہنچاتا ہے۔

دوسری قسم:

ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے شاید قسم کھائی ہوتی ہے کہ انھوں نے ہر وقت کسی نہ کسی کا دل ضرور دکھانا ہوتا ہے مثلاً آپ نے نیا قیمتی سوٹ پہنا ہوا ہے اور جب آپ ایسے شخص کے سامنے آئیں گے تو وہ کہہ دے گا یار اس کا رنگ اچھا نہیں، اس پر بُرا آ جائے گی، اس کا رنگ خراب ہو جائے گا، آپ اس سوٹ میں بہت اچھے نہیں لگ رہے، اس طرح کی باتیں کر کے وہ آپ کو اذیت دے گا، یا پھر ایسا شخص کسی دوست کے گھر جاتا ہے گھر کو ایک نظر دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یار اس کو پینٹ کیوں نہیں کروایا؟ یہاں سے ٹوٹا ہوا ہے، اس کو مرمت بھی کیوں نہیں کیا؟ یا پھر جب کھانے کی باری آتی ہے تو کہتا ہے کہ کھانا مزیدار نہیں، نمک کم ہے، فلاں مصالحہ نہیں ڈالا، وغیرہ یا پھر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق یعنی کسی انسان جس میں اللہ تعالیٰ نے معمولی مثلاً رنگ کالا، ناک موٹا اور آنکھیں چھوٹی وغیرہ رکھی ہوں سے ملتا ہے تو اس کو لوگوں میں اسی عیب سے بلاتا ہے ان تمام باتوں سے اس کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے دوسروں کو اذیت دینا۔

تیسری قسم:

بعض افراد ایسے ایسے کام کرتے ہیں جن سے خود ان کو ہی اذیت ملتی ہے مثلاً کسی شخص کا اپنے بازو پر بلیڈ یا سگریٹ وغیرہ سے کسی کا نام لکھنا یا پھر سگریٹ یا شراب کا عادی ہونا یا پھر دولت کو جمع کرنے کے لالچ میں دن رات کام کر کے اپنے بدن کو اذیت دینا یعنی اپنی صحت کا خیال نہ رکھنا، لیکن جب صحت بگڑ جائے تو پھر جمع شدہ پونجی اپنے اوپر لگانا یا پھر حالات سے

تنگ آ کر اپنے آپ کو موت جیسی اذیت سے دو چار کرنا۔

چوتھی قسم:

ایسے لوگوں کی ہے جو کام ہی ایسے اختیار کرتے ہیں جس سے دوسروں کو اذیت پہنچے مثلاً راستے میں کوڑا کرکٹ پھینکنا یا پھر اپنے پڑوسی کے دروازے کے آگے رکھ دینا یا پھر راستے میں گاڑی وغیرہ کھڑی کر کے دوسروں کو اذیت دینا یا پھر راستے میں گڑھا کھود کر اسے بند نہ کرنا یا پھر کوئی جانور رکھا ہے تو اس کو کھلا چھوڑ دینا تا کہ وہ دوسروں کو اذیت دے

یاد رکھیے!

ایسے شخص کی شخصیت کبھی بھی دوسروں کے لیے پسندیدہ نہیں ہو سکتی بلکہ ایسے شخص کے کوئی قریب بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرے گا، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ہو تو پھر نہ خود اذیت میں رہیں نہ ہی دوسروں کو اذیت دیں۔

7
تعصّب کی حقیقت

اہم مسئلہ
تعصب کی صورتیں اور قسمیں
تعصب کا حجم
تعصب کی ابتدا
مختلف انداز تعصب
تعصب کا خاتمہ

اہم مسئلہ

ہر نیا سال اپنی آغوش میں کچھ نئی امنگیں آرزوئیں اور خواہش لے کر آتا ہے اور یوں ہی ہماری زندگی سے گزر جاتا ہے بہت ساری خواہش اور آرزوئیں ناتمام رہ جاتی ہیں اور بہت سے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پاتے پتا ہے کیوں؟

اس لیے کہ یہ دنیا ارمان نکلنے کی جگہ ہی نہیں ہے اگر اس دنیا میں ہی انسان کے ارمان پورے ہونے لگتے تو پھر آخرت میں جنت کا تصور ہی ہو کر رہ جاتا اور ہمارے بہت سے کام ادھورے رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ سال کا آخری سورج بھی سمندروں کے پیچھے دھیرے دھیرے بیٹھ جاتا ہے اور پھر ہم اسلامی سال کے مطابق ذوالحجہ کے سورج کو اور انگریزی سال کے مطابق دسمبر کے سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اللہ کا شکر بجالاتے ہیں کہ صرف سال گزرا ہے ہم نہیں گزرے اور پھر نئے سرے سے کچھ اور کبھی نہ پورے ہونے والے خواب کبھی نہ پایۂ تکمیل کو پہنچنے والی خواہشات کے ساتھ نئے سال کے پہلے سورج کے انتظار میں لگ جاتے ہیں۔

جہاں انسان اپنی زندگی میں خوشیوں کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے وہیں اپنی خواہشات کی تکمیل کے دوران ہزاروں مشکلات کا سامنا بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے خوشیاں جو ہماری خوشگوار زندگی کی علامت ہیں ان کو حاصل کرنے میں اگر کوئی رکاوٹ آجائے تو انسان ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا ہے، معاشرتی زندگی میں ہزاروں مشکلات ہوتی ہیں، کبھی انسان کی اپنی پیدا کردہ، اور کبھی معاشرے کی پیدا کردہ، اور کبھی ایسی مشکلات کہ جن کو اگر نہ محسوس کیا جائے تو ان کے ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا لیکن جب محسوس کیا جائے تو انسان سوچنے پر

مجبور ہو جائے کہ ان مشکلات پر قابو کیسے پایا جائے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہر طرح کے مسائل سے دو چار ہونے کے باوجود بھی صبر و تحمل اور خوشی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں یہ ہمیشہ کی جگہ نہیں اور نہ ہی یہاں انسان کے ارمان پورے ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کے بارے میں فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝﴾

(البقرة : ٢/١٥٦، ١٥٧)

”وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔“

یہ تو مومن کا حال ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جنھوں نے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا اور انھوں نے اس دنیا کو حاصل کرنے کی خاطر اپنی ساری زندگی لگا دی تو ایسے لوگ جہاں لاتعداد مسائل سے دو چار نظر آتے ہیں وہیں اپنے پیدا کردہ مسائل کا شکار بھی نظر آتے ہیں، جن میں ایک اہم مسئلہ تعصب بھی ہے، تعصب کی بہت سی صورتیں اور قسمیں ہیں لیکن اس سے قبل تعصب کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

تعصّب کی صورتیں اور قسمیں

لغوی مفہوم:

تعصب اور عصبیت ''عصب'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں پٹھے، مضبوطی اور قوت کے اعصاب چونکہ گوشت اور ہڈی کے درمیان واصل قوی ہے، اس لیے ''اعصاب'' کہلاتے ہیں۔ اہل قرابت میں سے ''عصبات'' اس لیے ''عصبہ'' کہلاتے ہیں کہ وہ باہم قوت واستحکام کا باعث ہوتے ہیں۔

اصطلاحی معنیٰ:

علم الاخلاق کی اصطلاح میں عصبیت ایسی بے جا حمایت کا نام ہے جو مذہب، قوم، وطن، زبان اور کنبہ وغیرہ کے نام پر اختیار کی جاتی ہے۔

عصبیت ایک ایسا اخلاقی مرض ہے، جو اخوت عامہ اور اخوت اسلامی کے لیے زہر ہلاہل ثابت ہوتا ہے اور تعصب رکھنے والے انسان کی شخصیت بھی دوسروں کے لیے ناپسندیدہ ہوتی ہے، اس وقت ساری دنیا میں غیر مسلموں کی طرح قومیت وصوبائیت اور زبان ورنگ کو بنیاد بنا کر مسلمان جس طرح آپس میں اختلاف اور انتشار کا شکار ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے اور جس کی وجہ سے ہماری شخصیتیں ایک دوسرے لیے قابل نفرت ہیں اس لیے ہمیں تعصب سے بچنا چاہیے چاہے وہ قومیت وصوبائیت کا ہو یا پھر رنگ و زبان کا ہو کیونکہ زبان ورنگ تو اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ (الروم : ۳۰/۲۲)

''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرما رہے ہیں کہ زبان و رنگ کا اختلاف میری نشانی ہے اگر کوئی اللہ کی نشانی کو حقیر سمجھے تو اس کی بہت بڑی نالائقی ہے، وہ بڑا بے ہودہ آدمی ہے، بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ زبان و رنگ کے اختلاف سے ایک دوسرے کی شخصیت کو ناپسند کرتے ہیں لوگ گناہ کی حقیقت کو سمجھتے نہیں اگر کوئی اللہ کی نشانی کو نہیں مانتا انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص سڑک پر سفر کر رہا ہو اور وہ سڑک پر لگے ہوئے اشاروں میں سبز، پیلی اور سرخ لائٹ کو نہ سمجھے جو نشانی ہے رکنے اور چلنے کی یعنی جب سرخ لائٹ چلتی ہے تو یہ نشانی ہے ٹھہرنے کی اور جب پیلی لائٹ جلتی ہے تو یہ نشانی ہے چلنے کے لیے تیار ہونے کی اور جب سبز لائٹ چلے تو یہ نشانی ہے چل پڑنے کی اور اگر کوئی ان اشاروں کا جو بطور نشانی لگے ہیں خیال نہیں کرتا تو اس کو ٹریفک کے قوانین توڑنے پر جرمانہ ہوتا ہے۔

اسی طرح زبان و رنگ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جس سے انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اور اگر کوئی ان نشانیوں کا انکار کرے تو وہ اس دنیا و آخرت دونوں میں سزا پائے گا اس لیے کسی زبان کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔

کوئی پنجابی بولتا ہے، کوئی سندھی بولتا ہے، کوئی اردو زبان بولنے والا ہے اور اردو اچھی زبان ہے لیکن اس کو تمام زبانوں سے اچھا اور افضل سمجھنا جائز نہیں، انگریزی زبان کو بھی حقیر سمجھنا اچھی بات نہیں کیونکہ اگر کوئی انگریز مسلمان ہو جائے تو وہ انگریزی ہی بولے گا لہٰذا جتنی بھی زبانیں ہیں سب کو اچھا سمجھیں اگر آپ امریکہ میں پیدا ہوتے تو انگریزی بولتے اگر آپ پنجاب میں پیدا ہوتے تو پنجابی بولتے سندھ میں پیدا ہوتے تو سندھی بولتے لہٰذا جو زبان آپ کی ہوتی تو کیا آپ اس کو حقیر سمجھتے لہٰذا کسی زبان کو حقیر نہ سمجھیں۔

میرے چچا جان 25 سال کوئٹہ میں رہے اور چچا جان کے ارد گرد رہنے والے سب پٹھان ان سے محبت کرتے تھے یعنی میرے چچا کی شخصیت پٹھانوں میں پسندیدہ تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے چچا زبان ورنگ کے تعصب سے پاک ذہن کے مالک تھے۔

اپنے دل کا جائزہ لیتے رہیں کہ عصبیت کا کوئی ذرہ دل میں تو نہیں ہے اگر ایسا ہے تو ممکن ہے خاتمہ برا ہو۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِيدًا فَأَصَابَتْهُ جِرَاحَةٌ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الَّذِي قُلْتَ لَهُ إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَاتَلَ الْيَوْمَ قِتَالًا شَدِيدًا وَقَدْ مَاتَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّارِ قَالَ فَكَادَ بَعْضُ النَّاسِ أَنْ يَرْتَابَ فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذْ قِيلَ إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ وَلَكِنَّ بِهِ جِرَاحًا شَدِيدًا فَلَمَّا كَانَ مِنْ اللَّيْلِ لَمْ يَصْبِرْ عَلَى الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ فَقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنِّي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى بِالنَّاسِ إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ))[1]

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسالت مآب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن دوزخی ہے۔ جب میدان جنگ میں آیا تو اس آدمی نے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا اور اس معرکہ میں اسے کاری ضرب لگی تھی کسی نے عرض کیا

[1] الصحيح البخاري، كتاب الجهاد : ٣٠٦٢

اے اللہ کے رسول ﷺ! جس کو آپ نے دوزخی فرمایا تھا اس نے آج بڑی جوانمردی سے کشتے کے پشتے لگائے تھے اور بالآخر خود داعی اجل کو لبیک کہا ہے، جس پر رسالت مآب ﷺ نے فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریب تھا کہ بعض لوگ شک وشبہ میں گرفتار ہو جاتے (اتنے میں کسی نے کہا وہ جوانمرد ابھی تک مرا نہیں ہے بلکہ اس کو کاری زخم آئے ہیں جب رات ہوئی تو وہ ان زخموں کی تکلف برداشت نہ کر سکا اور اس نے خودکشی کر لی جب رسالت مآب ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر! میں اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے بعد آپ ﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ اعلان کردو کہ جنت میں مسلمانوں کے علاوہ اور کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ بعض اوقات اسلام کو بدکار آدمی کے کام سے بھی مدد دیتا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ یہ جو شخص بہادری اور دلیری سے لڑ رہا تھا یہ اسلام کے لیے نہیں عصبیت کے لیے لڑ رہا تھا کہ میرے قبیلے کا نام ہوگا پس خوب سمجھ لو عصبیت جہنم میں لے جانے والی ہے۔

زبان اور رنگ کو حقیر سمجھنا جہنم میں جانے کا سامان کرنا ہے، زبان ورنگ کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا دلیل ہے یہ شخص اللہ تعالیٰ کی نشانی کا انکار کر رہا ہے، جبکہ آدمی اپنے باپ کی نشانی کی قدر اور عزت کرتا ہے، اس کو دیکھ کر باپ کو یاد کر کے روتا ہے، کہ یہ میرے ابا کی نشانی ہے وہ بندہ کتنا نالائق ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نشانی کو جھگڑے کا ذریعہ بناتا ہے ساری دنیا کے مسلمان بھائی بھائی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۴۹/۱۰)

''مومن تو بھائی ہی ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی

بھائی سمجھنا چاہیے، چاہے وہ امریکہ کے ہوں برطانیہ کے ہوں یا جرمنی کے ہوں چاہے عراق اور فلسطین کے ہوں سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

کالے گورے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں خود نہیں بنے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں، رنگ وزبان کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے، جو قرآن پاک کی کسی آیت پر ایمان نہ لائے وہ قرآن پاک کا انکار کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں جو زبان اور رنگ کا اختلاف رکھا ہے وہ ذریعہ معرفت الٰہیہ ہے۔

آپ نے مختلف علاقوں کے کتوں کو تو بھونکتے سنا ہوگا مثلاً صوبہ سندھ کے کتے کو اور صوبہ پنجاب کے کتے کو، تو آپ کو ایک بات معلوم ہوئی ہوگی کہ جس زبان میں صوبہ سندھ کا کتا بھونکتا ہے اسی زبان میں پنجاب کا کتا بھونکتا ہے۔ کتے بلی اور تمام جانور ہر جگہ پر ایک ہی طرح بولتے ہیں انگلینڈ کا کتا یہ نہیں کہتا کہ I am a dog اور امریکہ کی بلی یہ نہیں کہتی کہ I am a cat بلکہ ہر ملک کی بلی میاؤں ہی کہے گی ایک عالم نے مزاقاً کہا کہ بلی جو میاؤں کہتی ہے تو وہ دراصل کہتی ہے میں آؤں؟ یعنی دستر خوان پر کیا اکیلے اکیلے ٹھونس رہے ہو میں آؤں؟

لیکن انسانوں کی زبانیں ہر ملک اور ہر علاقہ میں مختلف ہیں اس کی کیا وجہ ہے صرف اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچان سکیں، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکیں کہ واہ رے میرے اللہ! آپ کی کیا قدرت ہے کہ آپ نے کتنی زبانیں پیدا فرما دیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ﴾

(الروم : ۳۰/۲۲)

''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے۔''

اور نشانیاں جانوروں کو نہیں دی جاتیں کیونکہ ان کے اندر معرفت الٰہیہ کی صلاحیت ہی نہیں ہے ورنہ انگلینڈ کی بلی انگریزی بولتی، پاکستان کی بلی اردو بولتی اور بنگلہ دیش کا کتا بنگالی

بولتا لیکن ساری دنیا کے جانور ایک ہی طرح بولتے ہیں پاکستان کا گدھا اسی طرح بولے گا جس طرح جاپان کا گدھا بولتا ہے، جبکہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے ان کی زبان اور رنگ کا اختلاف لڑنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی معرفت اور محبت کے لیے ہے۔

اگر باپ کوئی نشانی دے تو بچے اس کو دیکھ کر باپ کو یاد کرتے ہیں یا آپس میں لڑتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو اختلاف السنہ اور اختلاف الوان کو اپنی نشانی بتا رہے ہیں اور ہم بجائے اپنے مالک کو یاد کرنے کے اس پر لڑتے رہے ہیں اور اس کو اپنی اپنی فضیلت کا سبب بنا رہے ہیں۔ اس لیے دوسری جگہ فرما دیا:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ﴾ (الحجرات : ۱۳/٤٩)

''بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

جو جتنا زیادہ متقی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہی مکرم ہے خاندان و قبائل کا مقصد تعارف ہے نہ کہ تفاضل و تفاخر۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ﴾

(الحجرات : ۱۳/٤٩)

''بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے خاندان پر اپنی برادری پر اور اپنے القاب وغیرہ پر فخر کرنا نادانی ہے جو مقصد تعارف کے خلاف ہے لہٰذا لِتَعَارَفُوْا کا خیال رکھیے۔

علاقائی تعصب کیوں؟ جبکہ ساری زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الزمر : ٤٤/٣٩)

''آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔''

پھر علاقائی تعصب کس بنا پر جبکہ ہمارا اختیار ہی زمین پر مجازی ہے تو پھر اپنے علاقے کو اور اپنے علاقے کے رہنے والے لوگوں کو دوسرے علاقہ سے اور دوسرے علاقے کے رہنے والے لوگوں سے بہتر سمجھنا بیوقوفی اور حماقت ہے ہم اپنے علاقے اور علاقے میں رہنے والوں کو دوسرے علاقے اور دوسرے علاقے میں رہنے والوں سے اچھا سمجھنے کی بجائے تمام انسانیت کو اللہ تعالیٰ کا غلام سمجھیں تو کبھی بھی علاقائی تعصب کی بنا پر یہ بڑی بڑی جنگیں نہ ہوں۔ تعصب معاشرتی کشمکش کی ایک صورت ہے، جب ایک علاقے کے مفادات دوسرے علاقے کی وجہ سے مجروح ہوتے ہیں یا ان میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، تو نزاعی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو کہ مقابلہ لڑائی جھگڑے اور جنگ وجدل کا باعث بنتی ہے ہر علاقے کے لوگ ایسے مواقع کی کھوج میں رہتے ہیں جس سے دوسرے علاقے کے لوگوں کو نقصان پہنچ سکے اپنے اور غیروں کا فرق ملکی اور غیر ملکی کی تفریق مختلف فرقوں کا دوسروں سے بالکل الگ رہنا بھی تعصب کی صورتیں ہیں۔

آج کی دنیا میں تعصب نئے انداز اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے نئی تاویلیں کی جاتی ہیں اور اس کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کا پتہ چل سکے، زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک علاقہ کا افسر اپنے یہاں کے لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے، ایک صنعت کار یہ کوشش کرتا ہے کہ اہم جگہوں پر اس کے اپنے خاندان کے لوگ ہوں، تمام معاملات میں اسکو اختیار ہو ہمارے یہاں اقرباء پروری یا کنبہ پروری یا علاقہ پروری کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ بھی تعصب کی صورتیں ہیں۔

تعصب کا حجم

تعصب ظاہر ہونے کے دو مندرجہ ذیل اسباب ہوتے ہیں۔

پہلا سبب:

انسان جب کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو اس سے تعصب ظاہر ہوتا ہے اب اگر وہ چیز جسے وہ پسند کرتا ہے ناجائز ہے تو یہ تعصب ٹھیک نہیں ہے، لیکن اگر وہ چیز جائز ہے یا حق پرستی ہے تو اس میں تعصب جائز ہے اور اس میں تعصب ہونا بھی چاہیے۔

دوسرا سبب:

انسان جب کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے تو تب بھی اس سے تعصب ظاہر ہوتا ہے بعض اوقات انسان یہ بتانے سے قاصر ہوتا ہے کہ وہ کس چیز کو کیوں ناپسند کرتا ہے اور جب ان سے وجہ ناپسندیدگی پوچھی جائے تو انسان کوئی معقول جواب نہیں دے پاتا یا پھر تاویل سے کام لیتا ہے یہ تعصب کی ایک دوسری سادہ صورت ہے۔

تعصب کے معنیٰ ہیں پہلے ہی کسی کے لیے رائے قائم کر لینا جو کہ اکثر خلاف ہوتی ہے۔ تعصب کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا ماحول مختلف ہوتا ہے مثلاً اگر کسی نے عیسائیوں کے ہاں آنکھ کھولی ہے یا پھر یہودیوں کے ہاں یا ہندوں کے ہاں یا پھر ہم مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو ہی لے لیں اگر کسی نے کسی بھی گروہ کے ہاں آنکھ کھولی ہے اب وہ کسی دوسرے کی حق بات کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں اسی طرح دوسرے فرقوں اور گروہوں کا حال ہے ان میں سے کوئی ایک بھی کسی دوسرے کی حق بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ انسان نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ اسی کو ٹھیک مانتا ہے اگرچہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو اسی کو تعصب کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا ذکر اپنے قرآن میں کیا ہے:

﴿بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾

(الزخرف: ۲۲/۴۳)

''(حق کو تسلیم کرنے کی بجائے) بلکہ انھوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راستے پر پایا ہے اور بے شک ہم انھی کے قدموں کے نشانوں پر راہ پانے والے ہیں۔''

آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے کو ہی دیکھ لیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ان بتوں کی کیوں پوجا کرتے ہو جو نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ چلتے ہیں، نہ بولتے ہیں اور نہ ہی یہ بت تم لوگوں کو کوئی نفع اور نقصان دیتے ہیں۔ تو قوم نے جواب دیا:

﴿قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۵۳/۲۱)

''انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرنے والے پایا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس اپنی گمراہی کی کوئی سند نہیں ہے، تو بس یہ ماحول کا تعصب ہے کہ باپ دادا سے یونہی ہوتا چلا آ رہا ہے اور انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم ان مورتیوں کی پوجا کر رہے ہیں۔

ہر شخص کا ماحول مختلف ہوتا ہے، اس لیے اس کی ضروریات، خواہشات اور تمنائیں دوسروں سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس کا دوسروں کے متعلق رائے قائم کر لینا بھی فطری امر ہے، اس لیے ہمارے اندر کچھ اچھی عادات موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ (الشمس: ۸/۹۱)

''پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی۔''

جنھوں نے نیک ماحول میں پرورش پائی ہوتی ہے ان کی عادات اچھی اور نیک ہوتی ہیں اور جن لوگوں نے برے ماحول میں پرورش پائی ہوتی ہے وہ بری خصلتوں کے مالک ہوتے

ہیں۔اس وقت تک کوئی شخص اچھی عادات کو اپنا نہیں سکتا اور بری عادتوں کو چھوڑ نہیں سکتا جب تک وہ تعصب کو چھوڑ نہ دے، یعنی برے ماحول کو خیر آباد نہ کہہ دے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

گلیے خوشبوئے درحمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم که مشکی یا عبیری
که از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلیے نا چیز بودم
ولیکن مدتیے باگل نشتم
جمال همیش درمن اثر کرد
وگرنه من هماں خاکر که هستم

''ایک دن حمام میں ایک خوشبو دار مٹی ایک مہربان محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ آئی۔''

''میں نے اس سے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر! تیری دلکش خوشبو نے مجھے مست کر دیا ہے۔''

''اس نے کہا میں تو نا چیز مٹی ہوں مگر کچھ عرصہ پھولوں کی ہم نشینی کا موقع میسر رہا ہے۔''

''یہ سب پھولوں کی صحبت کا اثر ہے ورنہ میں تو وہی مٹی کی مٹی ہوں۔''

اس مثال سے بھی معلوم ہوا کہ انسان پر ماحول کا اثر ہوتا ہے اور ظاہر ہے جیسا ماحول ہوگا ویسا ہی انسان بن جائے گا۔اسی لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے برے ماحول کے تعصب کو چھوڑ کر چاہے وہ لسانی ہو ملکی یا علاقائی ہو یا مذہبی ہو اچھے ماحول کو اپنائیں تا کہ ہم معاشرے میں دوسروں کے لیے پسندیدہ بن سکیں۔

تعصب کی ابتدا

تعصب کی کوئی جبلی (فطری) بنیاد نہیں بلکہ یہ ایک معاشرتی عمل ہے، جس کے اسباب بھی معاشرے میں ملتے ہیں۔ مثلاً بچوں میں نسلی تعصب کا وجود نہیں پایا جاتا ہے وہ آپس میں خوب مل جل کر کھیلتے ہیں لیکن جوں جوں وہ بڑے ہوتے ہیں ان کو ان کے والدین بتاتے ہیں کہ وہ دوسرے گروہ یا جماعت سے الگ رہیں تب ان میں تعصب پیدا ہوتا ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ)) [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور بچے دیتا ہے کیا تم اس کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بچہ فطری طور پر تعصب سے پاک ہوتا ہے اسی لیے تو گورے کالے رنگ کے بچے ایک دوسرے کے ساتھ اطمینان سے کھیلتے ہیں جب تک انھیں اپنے رنگ کا احساس نہ دلایا جائے۔

بچوں میں تعصب نہیں ہوتا اسی لیے جب بھی کوئی دو بچے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں تو

[1] الصحیح البخاری، کتاب الجنائز: ۱۳۸۵

چند منٹوں بعد پھر وہ آپس میں کھیلنا کودنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک اس کے ماں باپ اس بچے کے اندر تعصب جیسا زہر نہ بھر دیں۔

میرے پیارے نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اخلاق حسنہ کے ذریعے تعصب کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو بھی نکال دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں بڑی محبت کرتے تھے۔ میرے نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کسی ایک قوم سے نہیں تھے بلکہ الگ الگ قوموں اور الگ الگ ملکوں کے تھے، اس کے باوجود بھی وہ آپس میں ایک دوسرے سے پیار کرتے تھے دلیل کے طور پر یہ واقعہ ہے:

دو جلیل القدر صحابہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آ کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ابن السوداء (کالی حبشی عورت کا بیٹا) کہہ دیا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اس بات کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دریافت کیا: ''کیا آپ رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو گالی دی ہے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا ''جی ہاں دی ہے''

فرمایا: تو کیا تو نے اس کی والدہ کا ذکر کیا ہے؟

کہا یا رسول اللہ ﷺ! جو شخص لوگوں سے گالی گلوچ کرتا ہے اس کے والدین کا ذکر کیا ہی جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپ میں جاہلیت ہے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا چہرا پھیکا پڑ گیا بولے ''کیا بڑھاپے کی اس عمر میں بھی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں ماتحتوں سے برتاؤ کا طریقہ سمجھاتے ہوئے فرمایا:

''جنھیں اللہ نے تمہارے ماتحت کیا ہے وہ تمہارے بھائی ہیں جس کسی کا بھائی اس کا ماتحت ہو وہ اسے اپنا کھانا کھلائے اور اپنا لباس پہنائے۔ اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے

اگر کوئی چارہ نہ ہو تو ایسے کام میں اس کی مدد کرے۔''[1]

یہ سن کر سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ جا کر بلال رضی اللہ عنہ سے ملے معذرت کی اور بلال رضی اللہ عنہ کے سامنے زمین پر بیٹھ کر اپنا گال ننگے فرش پر رکھا اور کہا ''بلال رضی اللہ عنہ! اپنا پاؤں میرے گال پر رکھ دو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ کی تربیت کے باعث یہی مزاج تھا کہ ان میں ذرہ برابر تعصب نہ تھا۔ ظاہر ہے جب تعصب نہ تھا تو اس سے پیدا ہونے والی نفرت بھی نہ تھی۔

تعصب کوئی فطرتی چیز نہیں ہے، اس کی ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ جو ہم میں سے نہ ہوں ان سے نفرت کا خیال غلط ہے، کیونکہ ہم اجنبی لوگوں کو بعض اوقات خوش آمدید کہتے ہیں، یہ درست ہے کہ ان کی آمد اس وقت تک اچھی لگتی ہے جب تک کہ وہ ٹھیک طرح سے رہیں، جہاں انھوں نے ہمیں کسی قسم کا نقصان پہنچایا یا چالاکی کی یا عیاری سے کام لیا تو ہم ان سے نفرت کرنے لگیں گے۔

سنہری حروف:

اپنا دل دوسروں کے متعلق اور دوسروں کا دل اپنے بارے میں تعصب سے پاک رکھنے کی کوشش کریں۔

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی : ۷/۸

مختلف انداز تعصب

لوگوں میں تعصب کے مختلف انداز پائے جاتے ہیں، کوئی تو کٹر قسم کا متعصب ہوتا ہے اور کوئی اعتدال پسند اور صلح جو۔ اعتدال پسندی اور برداشت کرنے کی قوت مختلف وجوہات کے تحت ہوتی ہے جو لوگ محرومی اور ناکامی کا شکار ہوتے ہیں وہ اپنی ناکامی اور شکست کے سبب دوسروں کو ستاتے ہیں اس لیے وہ ان لوگوں سے انتقام لیتے ہیں جو کمزور ہوں اور جن پر وہ قابو پا سکیں اس کے لیے وہ لوٹ مار غارت گری اور قتل تک کر دیتے ہیں، اس کی ایک بڑی مثال کشمیر میں نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں ایک آزاد ریاست عطا کی جہاں رہ کر مسلمان آزادی سے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک بڑا انعام یہ کیا کہ پاکستان کو نیوکلیئر یعنی ایٹمی طاقت بنا دیا اب ہندو جو کہ یہ سب کچھ دیکھ کر تعصب کی آگ میں جل رہے ہیں ان کا زور پاکستانی مسلمانوں پر تو چلتا نہیں پھر وہ کمزور اور نہتے کشمیری مسلمانوں پر اپنا زور چلاتے ہیں۔

مردوں پر رُولر پھیرا جاتا ہے، زخمی اور بیمار مسلمانوں کو زہریلی ادویات کے ذریعے شہید کیا جاتا ہے، کشمیری نوجوانوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور تشدد کا نشانہ بناتے ہیں، جوانوں اور بوڑھوں کے علاوہ معصوم اور شیر خوار بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے، ان پر حیوانی تشدد روا رکھا جاتا ہے، کشمیری بہنوں کے سر مونڈ دیے جاتے ہیں اور ہونٹ کاٹ دیے جاتے ہیں، ہندو تعصب میں اتنا اندھا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عظیم عبادت گاہ بابری مسجد گرا دی ہے۔

بعض اوقات اگر افراد پر ظلم کرنے کا موقع نہ ملے تو اس کو کسی اور طریقے سے ظاہر کیا جاتا

ہے یعنی ان کے متعلق بُری افواہیں پھیلائی جاتی ہیں اس کی مثال ہمیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ افک سے ملتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپس آتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کوچ کی تیاری ہونے لگی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لیے چلی گئیں، وہاں ان کے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا اور وہ اسے تلاش کرنے لگیں اتنے میں قافلہ روانہ ہوگیا اور لوگ بے خبری میں ان کا خالی ہودج اونٹ پر رکھ کر روانہ ہوگئے، جب ہار لے کر واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا چادر اوڑھ کر ایک جگہ لیٹ گئیں صبح کے وقت ایک صحابی صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ (جو بدری صحابی تھے اور اس لیے پیچھے رہ گئے تھے کہ صبح کے بعد قافلہ کے پڑاؤ کی جگہ دیکھ بھال کر آئیں) وہاں سے گزرے انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا کیونکہ نزول حجاب سے پہلے انھوں نے ان کو دیکھا تھا ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا (انا للہ وانا الیہ راجعون) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی یہاں رہ گئیں؟ پھر انہیں اونٹ پر سوار کیا اور خود نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگے۔

یہاں تک کہ دوپہر تک قافلہ کو جا لیا منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے اپنی سرداری کھو بیٹھا تھا اس ناکامی کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے تعصب رکھتا تھا عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں میں طاقت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں پر ظلم کر سکیں، اس وجہ سے عبداللہ بن ابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی اور طریقے سے تکلیف دیتا تھا) کو معلوم ہوا تو اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور اس کا چرچا کرنے لگا، آہستہ آہستہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس افواہ کے پھیلانے والوں میں شریک ہوگئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی دنوں تک خاصے پریشان و متفکر رہے۔ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ نے میری برائت و پاکیزگی ظاہر کرنے کے لیے قرآن کی آیات نازل فرمائیں۔ (ابن کثیر)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ متعصب آدمی جس سے تعصب رکھتا ہے اگر اس سے لڑنے کی

طاقت نہیں رکھتا تو پھر وہ کئی طریقوں سے اس کو تکالیف پہنچاتا ہے، ایک طریقہ اوپر ذکر کر دیا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس سے بدزبانی کی جاتی ہے اس کو بے عزت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بعض اوقات تھوڑی جماعت کو تمام مصیبتوں اور مشکلات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، اس کی مثال ہمیں غزوہ خندق میں یہودیوں کی بدعہدی کی صورت میں جو انھوں نے مسلمانوں سے کی تھی ملتی ہے، یہود جو ہمیشہ سے ہی مسلمانوں کے ساتھ تعصب رکھتے آئیں ہیں جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد صرف 3000 ہے اور قریش کی تعداد 10000 ہے تو یہودیوں نے مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا اور قریش کے ساتھ مل کر یہود عملی طور پر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔

یہ کہنا کہ دوسرے لوگوں کے آنے کی وجہ سے ہم پر مشکلات آن پڑی ہیں ان پر غلط الزام ہے۔

مثال کے طور پر تجارت میں ہر کس و ناکس کے داخل ہو جانے سے اس پر اثر پڑتا ہے اس لیے پرانے تاجر نئے آنے والوں کے داخلے پر ناک منہ چڑھاتے ہیں، ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب طوق الحمامہ میں اندلس کے ایک مشہور تاجر کا واقعہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

اندلس میں ایک تاجر اپنی کاروباری لیاقت اور ہوشیاری کی وجہ سے مشہور تھا ایک بار اس میں اور دیگر چار تاجروں میں مقابلہ ٹھن گیا انھوں نے مارے حسد اور تعصب کے گٹھ جوڑ کر لیا کہ اُسے پریشان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

ایک صبح وہ تاجر سفید براق لباس پہنے اور سفید ہی عمامہ باندھے گھر سے دکان کی طرف روانہ ہوا ان چار تاجروں میں سے ایک تاجر اسے راستہ میں ملا اس نے پہلے تو بڑی گرم جوشی سے اسے سلام کیا پھر عمامے کی طرف دیکھ کر کہنے لگا "کیسا خوش نما ہے یہ پیلا عمامہ؟" وہ بولا "تمھیں نظر نہیں آتا یہ سفید عمامہ ہے"۔

اس نے جواب دیا "یہ تو پیلا ہی ہے مگر خوب صورت"

تاجر نے پروانہ کی اسے چھوڑا اور آگے چل دیا ابھی چند قدم ہی چلا ہوگا کہ دوسرا تاجر ملا اس نے بھی سلام کیا اور عمامے کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا۔

''آج آپ بڑے پیارے لگ رہے ہیں اور یہ سبز عمامہ تو بڑا ہی پیارا لگ رہا ہے''

تاجر بولا ''بھائی یہ سفید عمامہ ہے''

اس نے کہا ''نہیں جناب سبز ہے''

''سفید ہے یار اب میری جان چھوڑو اور مجھے جانے دو'' اس نے تنگ آ کر کہا وہ بے چارہ اپنے آپ سے باتیں کرتا چلتا رہا بار بار یہ اطمینان کرنے کے لیے عمامہ سفید ہے شملے کی طرف دیکھتا جو کندھے پہ لٹک رہا تھا اسی شش و پنج میں وہ اپنی دکان پر پہنچا اور تالا کھولنے لگا تو تیسرا تاجر آگے بڑھا اور بولا:

''بھئی واہ! آج کی صبح تو بہت خوبصورت ہے اس پر طرہ یہ تمہارا دلکش لباس ماشاء اللہ اور یہ تمھارا نیلا عمامہ تو سونے پر سہاگے کا کام کر رہا ہے''۔

تاجر نے پہلے تو اپنے عمامے کو بغور دیکھا آنکھیں ملیں پھر دیکھا اور بڑی لجاجت سے کہا

''بھائی میرا عمامہ سفید ہے سفید ہے۔''

وہ بولا ارے نہیں نیلا ہے مگر فکر کی کوئی بات نہیں اچھا لگ رہا ہے یہ کہہ کر اس نے سلام کیا اور چل دیا۔ تاجر چیختا رہا۔

''عمامہ سفید ہے، سفید ہے، سفید ہے''

پھر اس نے عمامہ اتارا اور الٹ پلٹ کر اچھی طرح دیکھا جب اطمینان ہو گیا کہ عمامہ سفید ہی ہے تو دوبارہ پہن لیا وہ دوکان میں بیٹھا اور اس دوران برابر عمامے کو دیکھتا رہا تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ چوتھا تاجر آخری پتا پھینکنے دکان میں داخل ہوا اور بولا:

''بھائی جان! مرحباء ماشاء اللہ یہ سرخ عمامہ آپ نے کہاں سے خریدا ہے؟''

تاجر پوری قوت سے چلایا ''میرا عمامہ سفید ہے''

''اس نے کہا ارے نہیں بھائی جان! یہ تو سرخ ہے''

تاجر بدحواس ہوگیا کہنے لگا نہیں سبز ہے نہیں نہیں سفید ہے نہیں نیلا سیاہ
پھر ہنسا پھر چیخا پھر رودیا اور کھڑا ہو کر اُچھلا اس کے بعد باہر کی طرف دوڑ لگادی۔

ابن حزم کا کہنا ہے!

اس کے بعد وہ تاجران چار متعصب تاجروں کی وجہ سے پاگل ہوگیا میں نے اسے کئی بار دیکھا وہ اندلس کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا اور بچے اسے کنکر مارتے تھے۔

ملاحظہ کیجیے کہ کیسے ان متعصب تاجروں نے عام طریقوں اور مہارتوں کو استعمال کرتے ہوئے ایک آدمی کو پاگل بنادیا۔

بعض اوقات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان میں پختگی آتی جاتی ہے وہ معاشرے کی بھلائی کو سمجھنے لگتا ہے، اس سے اس میں تعصب کم ہونے لگتا ہے لیکن یہ لازمی نہیں کہ تمام لوگوں میں ایسا ہو بعض اچھے پڑھے لکھے لوگ اور بزرگ حضرات تعصب کا مختلف انداز میں اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

یعنی ہر شخص تعصب کا اظہار مختلف صورتوں میں کرتا ہے، اپنی اپنی صلاحیت اور برداشت کے مطابق نقصان بھی اٹھاتا ہے اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ تعصب سے چھٹکارا پایا جائے اور تعاون سے کام لیا جائے۔

تعصب کا خاتمہ

تعصب کو ختم کرنے کے مختلف طریقے ہیں، اگر ہم ان پر عمل کریں تو اپنے معاشرے سے تعصب جیسے زہریلے مادے کو ختم کر سکتے ہیں۔

ذہنی اور ہیجانی پختگی:

جو لوگ تعصب کا اظہار کرتے ہیں ذہنی طور پر بالغ نہیں ہوتے، کیونکہ ذہنی اور ہیجانی پختگی جب تک نہ ہو ہم تعصب پر قابو نہیں پا سکتے، خود پر تنقید کر کے اور اپنی غلطیوں کو جان کر اور دوسروں کو بہتر طور پر سمجھ کر ہی ہم تعصب کو ختم کر سکتے ہیں، یعنی ہم اپنے گناہوں پر نظر رکھیں اور دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر جانیں۔

قاعدہ:

اگر ہم اس قاعدے کو اپنا لیں کہ جو لوگ مجھ سے بڑے ہیں ان کی نیکیاں مجھ سے زیادہ ہیں اور جو لوگ مجھ سے چھوٹے ہیں ان کے گناہ مجھ سے کم ہیں تو ہم ہر طرح کے بُرے تعصب کی لعنت سے بچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾

(الحجرات : ۴۹/ ۱۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کرو"

علماء کرام کا کردار:

تعصب کے خاتمے کے لیے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ جمعہ کا وعظ ہو یا درس و تدریس میں

ایسے واقعات اور احادیث بیان کریں جس سے لوگوں میں خیر سگالی کا جذبہ پیدا ہو۔

حکومت کی ذمہ داری:

لوگوں کی ضروریات آسانی سے پوری ہوں، امیر اور غریب کے فرق کو ختم کیا جائے، سب کے لیے بہتر مواقع ہوں، اچھی تعلیم، بہتر پیشہ، مناسب گھر اور سماجی عزت جب تک سب کو میسر نہ ہوں تو تعصب کا خاتمہ مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٞ ۝﴾

(الحجرات : ۱۳/۴۹)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسانیت میں کوئی اونچ نیچ نہیں کوئی اعلیٰ ادنیٰ نہیں، کوئی ذات پات نہیں، سب انسان برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف متقی لوگ ہی عزت دار ہیں اس لیے حکومت کو چاہیے کہ کسی میں بھی تفریق کیے بغیر ہر پاکستانی کو اس کے پورے حقوق دے، کیونکہ جتنی محرومی کم ہو گی اور لوگوں کی جائز خواہشات کو پورا کرنے کے جتنے زیادہ مواقع ملیں گے اتنا ہی آپس میں تعصب کم ہو گا۔

تعصب کی اس بنیادی صورت جس سے امیر و غریب کی تفریق قائم ہو رنگ و نسل کا فرق موجود ہو اس بنیادی فرق کو اپنے دلوں سے مٹانا ہو گا۔

تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں:

مسلمان کسی بھی علاقے یا زبان سے تعلق رکھنے والا ہو وہ ہمارا دینی بھائی ہے، لہٰذا کوئی

برطانیہ سے ہو یا امریکہ، فلسطین، افغانستان یا ملائیشیا سے ہو گویا دنیا کے کسی بھی خطے سے ہو اگر وہ مسلمان ہے تو ہمارا بھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات : ۴۹/۱۰)

''مومن تو بھائی ہی ہیں،''

انصاف کیجیے:

اللہ تعالیٰ اپنے قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا ﴾ (المائدہ : ۵/۸)

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل نہ کرو۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر تمھاری کسی قوم سے دشمنی بھی ہو تو تب بھی تم نے تعصب نہیں کرنا کیونکہ جب کسی میں تعصب جیسی موذی چیز سرایت کر جاتی ہے تو وہ انصاف جیسی اعلیٰ خوبی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اس لیے ہمیشہ انصاف کیجیے اور تعصب سے اپنے آپ کو بچائیے۔

شریعت اسلامیہ کی پیروی:

جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس وقت کفر و شرک کی جہالت کے بعد سب سے بڑی رکاوٹ نسل و وطن اور پست و بلند کی عصبیت تھی خود حضرت محمد ﷺ کی قوم ان تعصبات میں پیش پیش تھی، عرب کے یہود اور دنیا بھر کے عیسائی بھی اس تعصب کا شکار تھے، اس تعصب کا دور دورہ ایران میں بھی تھا، اسی بنا پر شہنشاہ ایران اور اہل عجم عربوں کے غریب ہونے کی وجہ سے انہیں انتہائی نفرت و ذلت کی نگاہوں سے دیکھتے، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے دور میں جس چیز کو سب سے زیادہ مٹانے کی کوشش کی وہ تعصب ہی تھا۔

اور پھر پوری دنیا نے دیکھا جیسے جیسے یہ لوگ شریعت اسلامیہ کی پیروی کرتے جاتے تھے ویسے ویسے عصبیت کا خاتمہ ہوتا جاتا تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

خوب سن لو! فخر و ناز کا ہر سرمایہ اور خون و مال کا ہر دعویٰ اور آج میرے قدموں کے نیچے ہے، اے اہل قریش! اللہ نے تمھاری جہالت کی نحوست اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو رد کر دیا ہے۔

نوٹ:

اگر ہم مذکورہ صورتوں پر عمل کریں تو ہم ہر بُرے تعصب سے پاک رہ سکتے ہیں اور جب ہم تعصب سے پاک ذہن رکھیں گے پھر ہمیں صراط مستقیم نصیب ہو گا اور ہماری شخصیت دوسروں کے لیے بھی پسندیدہ ہو گی۔ ان شاء اللہ

اپنی شخصیت دوسروں کیلئے کیسے پسندیدہ بنائیں؟

کیا آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب ''اپنی شخصیت دوسرں کے لیے کیسے پسندیدہ بنائیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں'' کیوں لکھی؟ اس لیے کہ دنیا کا ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب کا پیروکار ہو یا پھر کسی بھی ذات کا ہو، چاہتا ہے کہ اس کی شخصیت دوسروں کے لیے پسندیدہ ومحترم ہو، لوگ اس کی بات سنیں، لوگ اس سے محبت کریں۔ وہ کسی بھی حال میں ہو، وہ امیر ہوتب بھی وہ غریب ہوتب بھی، وہ تندرست ہوتب بھی وہ بیمار ہوتب بھی۔ بالکل اس ہزار کے نوٹ کی طرح جس کو ہر کوئی لینا پسند کرتا ہے چاہے وہ نوٹ میلا کچیلا، پھٹا، پرانا، گندا اور خراب ہی کیوں نہ ہو!! گویا نوٹ کسی بھی حال میں ہو اس کی قدر وقیمت لوگوں کے ہاں کم نہیں ہوتی، اسی طرح اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری قدر وقیمت دوسرے لوگوں کے ہاں مُسَلّم ہو، لوگ ہر حال میں ہماری شخصیت کو پسند کریں۔ لوگ ہر وقت ہماری بات غور سے سنیں، تو پھر ہمیں اپنی زندگی کو ایک رنگا رنگ گلشن کی مانند بنانا ہوگا، نہ کہ جنگل کی مانند، کیونکہ گلشن باقاعدہ منصوبہ بندی سے تیار ہوتا ہے جبکہ جنگل نہیں۔ باغ میں مالک یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور اس کے لیے اسے باغ میں کیا لگانا اور بونا چاہیے اور کیا نہیں۔ وہ اپنی پسند کے بیج بوتا ہے اور اپنی مرضی کی فصل حاصل کرتا ہے۔

جنگل میں جڑی بوٹیاں اور پودے خود بخود اُگتے ہیں یا ان بیجوں سے جو راہ گزرتے ہوئے لوگ پھینکتے ہیں، مالک اپنے باغ کی آبیاری کی فکر کرتا ہے اور اسے مہلک بیماریوں اور موسمی حالات سے بچانے کے لیے اس کی حفاظت کرتا ہے...... لیکن جنگل کی آبیاری وگلکاری کے لیے پریشان ہونے والا اور اس کی ہمہ وقت دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ باغ میں خودرو پودوں اور غیر مطلوبہ جڑی بوٹیوں کا صفایا کر دیا جاتا ہے جبکہ جنگل میں ایسا کچھ نہیں ہوتا، باغ میں ہر کوئی جانا پسند کرتا ہے جبکہ جنگل میں کوئی غلطی سے بھی جانا پسند نہیں کرتا۔

لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم دکھوں اور مشکلوں کے کانٹوں سے اپنی زندگی کو نہ بھریں بلکہ ہماری زندگی ایک گلشن خوش رنگ کی مانند ہو یعنی جس طرح گلشن وچمن طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں سے مزین ہوتا ہے اسی طرح ہم اپنی زندگی کو مختلف خوش کن خوبیوں کے ساتھ مزین کر کے خوشی والی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ الحمدللہ میں نے وہ تمام خوبیاں اس کتاب میں درج کر دی ہیں۔ مطالعہ کریں اور ہر دلعزیز محترم ومعزز شخصیت بن جائیں ان شاءاللہ۔

مبشر حمید

ڈسٹری بیوٹرز
دارالابلاغ